مفتی محمد راشد حسین ندوی

# سوال جواب

س : جنازہ لے جاتے وقت بلند آواز سے کلمہ وغیرہ پڑھنا کیسا ہے؟

ج : جنازہ کو خاموشی کے ساتھ لے جانے کا حکم ہے، حدیث شریف میں ہے کہ جنازہ لے جاتے وقت خاموشی اختیار کرنا خدا تعالیٰ کو پسند ہے۔ (جامع الصغیر للسیوطی، ص ۷۵) اسی لئے حضرات صحابہ جنازہ کے ساتھ زور سے پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے، اور فقہاء اس کو بدعت اور مکروہ تحریمی کہتے ہیں، البتہ کلمہ وغیرہ آہستہ پڑھنے کی اجازت ہے۔ (البحر الرائق ۲/۱۹۲، ہندیہ ۱/۱۶۲)

س : زید کا نانا مستحق زکوۃ ہے اور بہت پریشان حال ہے، کیا زید اپنے نانا کی امداد زکوۃ کی رقم سے کرسکتا ہے؟

ج : نانا زید کے اصول میں سے ہے، اور شرعاً اصول اور فروع کو زکوۃ دینا درست نہیں ہے، لہٰذا زکوۃ کی رقم سے زید اپنے نانا کو کچھ نہ دے، بلکہ اگر گنجائش ہو تو اپنی خالص کمائی میں سے نانا کی امداد کرے، اور اہل قرابت پر خرچ کرکے دوگنے ثواب کا حقدار بنے۔ (ہدایہ ۱/۱۸۶)

س : عیدین کے موقع پر بعض جگہ دعا خطبہ کے بعد ہوتی ہے، بعض جگہ خطبہ سے پہلے نماز کے بعد، دونوں میں صحیح کیا ہے؟

ج : عیدین کے موقع پر نماز یا خطبہ کے بعد موقع کی تعیین وتخصیص کے ساتھ کسی حدیث میں دعا کا ذکر نہیں ملتا، البتہ عید کے خطبہ میں دعا کا ثبوت ملتا ہے، لہٰذا خطبہ کے بعد اہتمام والتزام سے دعا کرنا بے اصل ہے، عید کی نماز کے بعد مختصراً دعا کرنے کی گنجائش ہے کہ نماز کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت ہے اور نصوص عام ہیں۔ (مستفاد از رحیمیہ ۸/۱۰۷)

س : ایک شخص کی امام کے ساتھ ایک رکعت چھوٹ گئی، اب سوال یہ ہے کہ وہ تعوذ تسمیہ اور ثناء پڑھے گا یا نہیں؟ اگر پڑھے گا تو کب؟

ج : جس کی ایک یا ایک سے زیادہ رکعات امام کے ساتھ چھوٹ جائیں تو شریعت کی اصطلاح میں وہ مسبوق کہلاتا ہے، اور مسبوق کے لئے حکم یہ ہے کہ جب وہ اپنی فوت شدہ رکعات کی ادائیگی کے لئے کھڑا ہو تو تعوذ تسمیہ اور ثناء پڑھ لے۔ (شامی، ہندیہ)

س : مسجد میں اس خیال سے پائیدان رکھنا یا بوریہ بچھانا کیسا ہے کہ اس سے پیر پونچھ لئے جائیں تاکہ مسجد کی دری وغیرہ پر گیلے پیر کے دھبے نہ پڑیں اور وہ محفوظ رہیں؟

ج : مذکورہ بالا مقاصد کے تحت مسجد میں پائیدان رکھنا یا بوریہ بچھانا درست ہے۔ (ہندیہ ۱/۷۰ بحوالہ رحیمیہ ۶/۸۳)

س : تھانہ انچارج سے بات کرکے دو پولیس والوں کے ذریعہ شوہر تھانہ بلوایا گیا، اور جبراً ایک طلاق نامہ پر دستخط کروالئے گئے، جب کہ نہ بیوی طلاق لینا چاہتی تھی نہ شوہر دینا چاہتا تھا، اس کا کیا حکم ہوگا؟

ج : اگر زبان سے نہیں کہلوایا گیا، صرف جبراً دھمکی دیکر دستخط کروالے گئے تو طلاق واقع نہیں ہوئی، اور اگر زبان سے بھی کہلوایا گیا تو طلاق واقع ہوگئی خواہ جبراً ہی کہلوایا گیا ہو۔

(شامی ۲/۴۵۷)

**بقیہ..... حرمت صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین**

اور طرح کرنے سے زبان بند رکھیں گے۔"

گویا اہل حق اور اہل باطل کے درمیان امتیاز کا معیار صحابہ کرام کا "ذکر بالخیر" ہے۔ جو شخص ان حضرات کی غلطیاں چھانٹتا ہو، ان کو موردالزام قرار دیتا ہو اور ان پر سنگین اتہامات کی فرد جرم عائد کرتا ہو، وہ اہل حق میں شامل نہیں ہے۔

ماہنامہ

# رضوان

لکھنؤ

LW/NP – 184

RIZWAN

R.N. 2416 /57

172/54 Mohammad Ali Lane Gwynne Road Lucknow-226 018.

Ph.2270406

بچوں کی

## قصص الانبیاء

از:- امۃ اللہ تسنیم

چار حصوں پر مشتمل اس کتاب میں بچوں کی آسان زبان میں نبیوں کے حالات لکھے گئے ہیں، صرف قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں، اس کتاب کے بارے میں مفسرِ قرآن مولانا عبدالماجد دریا آبادی فرماتے ہیں:-

"ان سے چھوٹے بھائی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب "قصص النبیین للاطفال" اب نہ کسی تعریف کی محتاج ہے نہ تعارف کی، سلیس و شستہ عربی میں پیغمبروں کے سچے سبق آموز پُرہدایت حالات لڑکوں اور بوڑھوں سب کے پڑھنے کے قابل، ان بہن صاحبہ نے یہ کیا کہ انھیں مطالب کو عربی سے اُردو میں منتقل کر دیا ہے، کتاب ترجمہ نہیں ترجمے سے کچھ بڑھ کر ہے زبان کی خوبیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں، جو لڑکے لڑکیاں اس کو پڑھیں گے وہ ساتھ ساتھ اردو زبان بھی سیکھتے جائیں گے"

حصہ اول

حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ قیمت .

حصہ دوم:- حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام قیمت .

حصہ سوم:- حضرت موسیٰ علیہ السلام ———— قیمت

حصہ چہارم حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ———— قیمت

مکتبہ اسلام ۱۷۲/۵۴ محمد علی لین گوئن روڈ

لکھنؤ، یو-پی ——— ۲۲۶۰۱۸

یادگار حضرت مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

# ماہنامہ رضوان لکھنؤ


جلد ۴۸ | مارچ سنہ ۲۰۰۴ء | شمارہ ۳



**ایڈیٹر**

محمد حمزہ حسنی

**معاونین**

- اُمامہ حسنی
- میمونہ حسنی
- اسحاق حسینی
- جعفر مسعود حسنی



**سالانہ چندہ**

برائے ہندوستان : ۱۰۰/روپے

غیر ملکی ہوائی ڈاک : ۲۵/امریکی ڈالر

فی شمارہ : ۱۰/روپے

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

ماہنامہ رضوان ۱۷۲/۵۴، محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۱۸

Phone : 2270406

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کیلئے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ : ناشر کمپیوٹر لکھنؤ۔ فون : 2281223

# فہرست مضامین


- اپنی بہنوں سے ..... مدیر ..... ۳
- حدیث کی روشنی ..... لمۃ اللہ تسنیم ..... ۴
- سیرت کا پیغام ..... مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ..... ۶
- حرمت صحابہؓ ..... محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ ..... ۸
- انبیاء علیہم السلام کا حقیقی کمال ..... مولانا اخلاق حسین قاسمی ..... ۱۲
- قرآن مجید کی معجزانہ تاثیر ..... ڈاکٹر شاہد قمر قاضی ..... ۱۷
- ہم دوست تمہارے ہیں، نمک خوار نہیں ..... کلیم احمد عاجز ..... ۲۰
- لباس کے متعلق اسلامی اصول ... حضرت مولانا محمد تقی عثمانی ..... ۲۱
- کھانا کھانے سے پہلے ..... مفتی عمر فاروق لوہاروی، لندن ..... ۲۳
- موت کس کو کیسے آتی ہے مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ ..... ۲۶
- ایمان کیا ہے؟ ..... مولانا محمد سرفراز خاں صفدر ..... ۳۰
- حکم کو ماننا اور عمل کرنا ..... محمد نفیس خاں رائے بریلی ..... ۳۵
- رومانیہ کی ایک عیسائی طبیبہ ..... ترجمہ مسعود حسن حسنی ..... ۳۷
- سوال جواب ..... مفتی محمد راشد حسین ندوی ..... ۴۰


# اپنی بہنوں سے .....

مدیر

●—— محرم الحرام جیسے بابرکت مہینہ سے نیا اسلامی سال شروع ہوگیا ہم کو اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ گذشتہ سال ہم نے اپنے دین کے لئے کیا کیا؟ یا ہم صرف اپنی دنیا میں مصروف رہے، ہر مسلمان پر چاہے وہ مرد ہو یا عورت دین کی خدمت واجب ہے اگرچہ خدمت دین کے میدان الگ الگ ہیں، جس بہن بھائی کی جو استطاعت ہے اسی قدر خدمت دین اس کے لئے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج میں جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس میں دین کی باتیں دوسروں تک پہنچانے کی جو ذمہ داری امت کو سونپی تھی وہ قیامت تک کے لئے ہے اس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔

آج اسلام کو ضرورت ہے ایسے بیٹوں اور بیٹیوں کی جو اس کی خاطر اپنی جان مال اس کی راہ میں کھپائیں اور پوری اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی اسلام کو قربانیوں کی ضرورت پڑی تو اللہ کے بندوں نے وہ قربانیاں پیش کیں لیکن آج کیا ہو رہا ہے، ہم کو اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھنا چاہئے کہ ہم پر کیا ذمہ داری ہے اور ہم کر کیا رہے ہیں، معمولی سے معمولی دنیاوی نفع نقصان کے لئے ہم جان کی بازی لگا دیتے ہیں عزت کو نیلام پر چڑھا دیتے ہیں، لیکن اپنے نقصان کو برداشت نہیں کرتے نفع کو چھوڑ نہیں سکتے لیکن اس کے مقابلہ میں دیکھئے جب معاملہ پڑتا ہے دین کا، ملت اسلامیہ کا، شریعت وسنت کی حفاظت کا، دشمنان اسلام کا سامنا کرنے کا، تو اس طرح منھ موڑ کر دوسرے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں گویا کہ ہمارا اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں ہم ملت اسلامیہ کا حصہ ہی نہیں بلکہ ہم کوئی دوسری مخلوق ہیں جس کا کام صرف کھانا پینا اور عیش وعشرت میں زندگی گذارنا ہے۔ ہم اسلام کے فرزند نہیں بلکہ جمادات اور نباتات سے تعلق رکھنے والی بے حس مخلوق ہیں جس سے زندگی کی رمق چھین لی گئی ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

''اسلام کو اس وقت نئے خون، نئی امنگوں، نئے ولولوں اور نئے جوش عمل اور جذبۂ قربانی کی ضرورت ہے اور یہ نیا خون، نیا جوش اور قربانی بہت سی جگہ موجود ہے لیکن پست مقاصد اور غلط میدانوں میں صرف ہو رہا ہے، جو چیز اسلام کے کام نہیں آرہی ہے وہ صرف ضائع نہیں ہو رہی ہے بلکہ کی دنیا کی تباہی کا باعث ہو رہی ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم اسلام کو ان قوموں اور طبقوں تک پہنچا کر اسلام کی طاقت اور ایمان کی ان کیفیات کا تماشا دیکھیں جو ہمیں دنیا کی تاریخ میں نومسلموں کی زندگی میں وقتاً فوقتاً نظر آتی ہیں ہمیں ان نومسلموں کی زندگی میں اسلام کی صداقت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت وامامت عالم پر اس درجہ یقین، ذات نبوی کے ساتھ وہ عشق وشیفتگی اور اسلام کی برتری کے لئے ایسی جدوجہد اور سرفروشی دیکھنے میں آئے گی جس کے سامنے ہم پشتینی مسلمانوں کو شرم آئے گی اور جس کی نظیر صدیوں سے دیکھنے میں نہیں آئی ہوگی'' (ماخوذ از ''اصلاحیات'')

ہمارا فرض ہے کہ ہم اسلام کے پیغام کو گھر گھر پہنچائیں تاکہ اسلام کو نیا خون مل سکے، اور دنیا اسلام کے گھنیرے سایہ میں پناہ لے سکے۔

حدیث کی روشنی

امۃ اللہ تسنیم

# غور اور دھیان

## نماز اس دھیان کے ساتھ پڑھو کہ ہم خدا کو دیکھ رہے ہیں اگر ہم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ ہم کو دیکھ رہا ہے

حضرت عمرؓ بن الخطاب سے روایت ہے کہ ایک روز ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک آدمی بہت سفید کپڑے والا اور بہت کالے بال والا آیا۔ اس پر سفر کا نشان نہ تھا۔ ہم لوگ اس کو نہیں پہچانتے تھے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا۔ اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنے سے ملا دیئے اور اپنی ہتھیلی آپ کے زانو پر رکھ دی اور کہا یا محمدؐ مجھ کو اسلام کے متعلق خبر دیجئے۔ آپ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ کہو اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ نماز پڑھو، زکوٰۃ دو اور رمضان کے روزے رکھو۔ اگر استطاعت ہو تو خانہ کعبہ کا حج کرو۔ کہا آپ نے سچ فرمایا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو حیرت ہوئی کہ پوچھتا بھی ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے۔ پھر کہا کہ ایمان کے بارے میں خبر دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ پر ایمان لاؤ اور اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کی پیغمبروں پر اور آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر، کہا آپ نے سچ کہا۔ اب احسان کے متعلق بتایئے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے ہو تو وہ تم کو دیکھتا ہے۔ کہا قیامت کے متعلق مجھکو خبر دیجئے۔ آپ نے فرمایا جس سے پوچھا جارہا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ کہا اچھا اس کی نشانیاں کیا ہیں، فرمایا لونڈی اپنی مالکہ کو پیدا کرے۔ اور ننگے پاؤں پھرنے والے، ننگے بدن محتاج لوگ بکری چرانے والے ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر محل بنائیں۔ پھر وہ چلے گئے۔ بعد میں آپ نے فرمایا اے عمرؓ تم جانتے ہو یہ سائل کون تھا۔ میں نے کہا اللہ اور اُس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ جبرئیل تھے۔ تمہارے پاس آئے تھے تاکہ تم کو تمہارا دین سکھائیں۔

## اللہ کا خوف

حضرت ابوذرؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں بھی تم ہو اللہ سے ڈرو اور برائی کے بعد نیکی کرو، وہ اس برائی کو مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

## اللہ کی یاد اُسی سے سوال اسی سے استمداد

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک روز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا۔ آپ نے فرمایا اے لڑکے میں تجھ کو چند باتیں سکھادوں۔ اللہ کے حکموں کی نگہداشت کرو، وہ تیری حفاظت کرے گا۔ اللہ کو یاد کرو تو اس کو اپنے سامنے پائے گا اور جب سوال کرنا تو اللہ ہی سے سوال کرنا اور جب مدد چاہنا تو اسی سے مدد چاہنا۔ اور جان لے کہ اگر ساری دنیا اس بات پر اتفاق کرے کہ تجھ کو نفع پہنچائے تو تجھ کو کچھ نفع نہیں پہنچا سکتی مگر وہی جو تمہارے لئے اللہ نے لکھ دیا ہے۔ اور اگر ساری دنیا اس بات پر اتفاق کرے کہ تجھ کو نقصان پہنچائے تو نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر وہی جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک کردیئے گئے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ کا دھیان رکھو تم اُس کو اپنے سامنے پاؤ گے اور آرام کے زمانے میں اللہ سے تعلق پیدا کرلو، مصیبت کے وقت کام آئے گا اور یاد رکھو جو تم سے چوک گیا وہ تمہیں پہنچنے والا نہ تھا اور جو پہنچا وہ خطا ہی نہیں ہوسکتا تھا۔ یاد رکھو کہ صبر کے ساتھ مدد ہے، مصیبت کے ساتھ کشائش ہے اور مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔

## بعض اعمال کو معمولی سمجھنا

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ تم



عمل کرتے ہو وہ تمہاری نگاہ میں بال سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے اور ہم ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہلاک کردینے والے اعمال میں شمار کرتے تھے۔

## اللہ کی غیرت

حضرت ابوہریرہؓ نے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کو غیرت آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ انسان وہ عمل کرے جو اللہ نے اس پر حرام کردیا تھا۔

## اپنی سابقہ حالت یاد رکھنا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ بنی اسرائیل کے زمانے میں تین آدمی تھے۔ ایک کوڑھی، دوسرا گنجا، تیسرا اندھا، اللہ تعالیٰ نے اُن کی آزمائش کا ارادہ کیا۔ ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا پہلے سفید داغ والے کے پاس آیا اور کہا تجھے کون سی چیز محبوب ہے۔ اُس نے کہا اچھا رنگ اور اچھی جلد، اور مجھ سے یہ بیماری دُور ہوجائے جس کی وجہ سے لوگ نفرت کرتے ہیں۔ فرشتہ نے اس کے بدن پر ہاتھ پھیرا تو اچھی جلد اور اچھا رنگ نصیب ہوا کہا کون سا مال تجھے پسند ہے کہا اونٹ یا گائے (راوی کو شک ہے) فرشتہ نے ایک گابھن اونٹنی دی اور برکت کی دعا کی۔ پھر گنجے کے پاس آیا اور کہا تو کیا چاہتا ہے۔ کہا میں چاہتا ہوں کہ میرا گنجاپن دور ہوجائے جس کے سبب سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں اور اچھے بال کی خواہش ہے۔ فرشتہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کا گنجاپن دور ہوگیا اور اچھے بال نکل آئے۔ کہا کونسا مال تجھے مرغوب ہے کہا گائے۔ پس ایک گابھن گائے اس کو دی اور برکت کی دعا کی۔ پھر اندھے کے پاس آیا اور کہا تیری کیا خواہش ہے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری آنکھوں کو بینائی عطا فرمائے تاکہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔ فرشتہ نے اس کی آنکھون پر ہاتھ پھیرا تو اس کی بصارت پلٹ آئی۔ کہا تم کو کون سا مال پسند ہے کہا بکری، پس اس کو ایک گابھن بکری دی۔ کچھ عرصہ بعد ان تینوں کے جانوروں سے میدان بھر گئے۔ چند دن کے بعد فرشتہ اُسی صورت اور اسی ہیئت میں کوڑھی کے پاس آیا۔ اور کہا کہ میں غریب آدمی ہوں میری راہ کھوئی ہوئی۔ میں آج کے دن نہیں پہنچ سکتا۔ تجھے اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں جس نے تجھ کو اچھی جلد اور اچھی کھال عنایت کی۔ مجھ کو راستہ کا خرچ دے تاکہ میں پہنچ جاؤں، سفید داغ والے نے کہا مجھ پر بہت حقوق ہیں فرشتہ بولا غالبًا میں تجھ کو پہچانتا ہوں تو فقیر تھا اور مبروص بھی۔ لوگ تجھ سے نفرت کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا۔ کہا واہ یہ دولت میرے گھر میں باپ دادوں سے چلی آتی ہے۔ فرشتہ نے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو خدا تجھ کو ویسا ہی کردے۔ پھر گنجے کے پاس آیا اور ویسا ہی سوال کیا جیسے کوڑھی سے کیا تھا۔ گنجے نے وہی جواب دیا۔ فرشتہ نے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو خدا تجھ کو ویسا ہی کردے۔ پھر اندھے کے پاس آیا اور کہا میں غریب آدمی ہوں، اپنے وطن نہیں پہنچ سکتا۔ تجھ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں جس نے تجھ کو بصارت عطا فرمائی، مجھ کو راستہ کا خرچ دے تاکہ میں پہنچ جاؤں۔ اس نے کہا بیشک میں اندھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں کو روشن کیا۔ تیرا جتنا جی چاہے لے اور جتنا چاہے چھوڑ۔ خدا کی قسم میں آج کے دن تجھ سے نہ جھگڑوں گا جس چیز کو تو خدا کے نام پر لے لےگا۔ فرشتہ نے کہا تیرا مال تجھے مبارک ہو۔ اللہ نے محض آزمائش کی تھی۔ پس اللہ تجھ سے راضی ہوا اور تیرے اُن دونوں ساتھیوں سے ناراض ہوا۔

(بخاری۔ مسلم)

## نفس کا احتساب

حضرت شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کا جائزہ لے اور آخرت کے لئے عمل کرے۔ پیچھے رہ جانا والا وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشوں کے پیچھے ڈال دے اور اللہ سے بڑی بڑی امیدیں لگائے بیٹھا رہے۔ (ترمذی)

## لایعنی بات سے احتراز

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، آدمی کے اسلام کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اُس چیز کو چھوڑ دے جو اُس کے مطلب کی نہ ہو۔ (ترمذی)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

# سیرت کا پیغام

## موجودہ دور کے مسلمانوں کے نام

سب جانتے ہیں کہ جس وقت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی دنیا کچھ ویران اور کوئی قبرستان نہ تھی زندگی کا چکر جس طرح اس وقت چل رہا ہے بہت تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس وقت بھی چل رہا تھا سارے کاروبار آج کی طرح ہو رہے تھے، تجارت بھی تھی اور زراعت بھی تھی اور حکومتوں کا نظام چلانے والے اور ان کی مشنری میں فٹ ہونے والے بھی موجود تھے، اس وقت کی دنیا کے لوگ اس زندگی پر بالکل قانع اور مطمئن تھے اور ان کو اس میں کسی ترمیم یا اصلاح یا تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنی زمین کا نقشہ اور دنیا کی یہ حالت بالکل پسند نہ تھی۔ حدیث میں اس زمانہ کے متعلق ہے۔ ان اللہ نظر الی اھل الارض فمقھم عربھم وعجمھم الا بقایا من اھل الکتاب" (اللہ تعالیٰ نے اہل زمین پر نظر ڈالی اس نے روئے زمین کے تمام باشندوں کیا عرب کیا عجم سب کو بے حد ناپسند فرمایا او وہ ان سے بیزار ہوا، سوائے اہل کتاب کے چند افراد کے) ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ کے ساتھ ایک پوری قوم کے ظہور کا سامان کیا۔ ظاہر ہے کہ ان کو کسی ایسے مقصد کے لیے پیدا کیا تھا۔ جو دوسری قوموں سے پورا نہیں ہو رہا تھا جو کام وہ سب پورے انہماک اور شوق کے ساتھ انجام دے رہے تھے۔ اس کے لیے ظاہر ہے کہ کسی نئی امت کو پیدا کرنے کی ضرورت نہ تھی اور انسانی زندگی کے اس پرسکون سمندر میں اس نئے تلاطم کی حاجت نہ تھی۔ جو مسلمانوں کے وجود سے ظہور میں آیا اور جس نے زمین میں ایک زلزلہ ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو فرشتوں نے عرض کیا کہ تسبیح وتقدیس کے لیے ہم نیاز مند بہت کافی تھے اس کے لیے اس خاکی پتلہ کو پیدا کرنے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ انی اعلم مالا تعلمون" گویا اشارہ فرمایا (اور آگے چل کر واضح کر دیا) کہ آدم صرف اسی کام کے لیے پیدا نہیں ہوئے جو ملائکہ انجام رہے تھے ان سے خدا کو کچھ اور کام لینا ہے۔

اگر مسلمان صرف تجارت کے لیے پیدا کئے جا رہے تھے تو مکہ کے ان تاجروں کو جو شام و یمن کا تجارتی سفر کیا کرتے تھے۔ اور مدینہ کے ان بڑے بڑے یہودی سوداگروں کو جن کے بڑے بڑے گڑھ بنے ہوئے تھے۔ یہ پوچھنے کا حق تھا اس خدمت کے لیے ہم گنہگار کیا کم ہیں کہ اس کے لیے ایک نئی (امت پیدا کی جا رہی ہے اگر زراعت پیشہ آبادی کو یہ پوچھنے کا حق تھا کہ کاشتکاری اور زراعت میں ہم محنت وکوشش کا کون سا دقیقہ اٹھا رکھتے ہیں کہ جس کے لیے ایک نئی امت کی بعثت ہو رہی ہے اگر دنیا کی چلتی ہوئی مشنری میں صرف فٹ ہونا تھا، اور حکومتوں کے نظم ونسق اور دفتری کاروبار کا معاوضہ لے کر چلنا تھا تو روم وایران کے کارپردازان سلطنت کو یہ کہنے کا حق تھا کہ اس فرض کی انجام دہی کیلئے ہم بہت ہیں اور ہمارے بہت سے بھائی بے روزگار ہیں اس کیلئے نئے امیدواروں کی کیا ضرورت ہے۔

لیکن درحقیقت مسلمان بالکل ہی ایک نئے اور ایسے کام کے لیے پیدا کیے جا رہے تھے۔ جو دنیا میں کوئی نہ انجام دے رہا تھا اور نہ دے سکتا تھا اس کے لئے ایک نئی امت ہی کی بعثت کی ضرورت تھی چنانچہ فرمایا:

کنتم خیر امۃ اخرجت اللناس تامرون بالمعروف :

وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ (آل عمران ۱۱۰) (تم بہترین امت



ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

اسی مقصد کی خاطر لوگ وطن سے بے وطن ہوئے اپنے کاروبار کو نقصان پہنچایا، اپنا عمر بھر کا اندوختہ لٹایا، اپنی جمی جمائی تجارتوں پر پانی پھیرا، اپنی کھیتی باڑی اور باغات کو ویران کیا، اپنے عیش وتنعم کو خیرباد کہا، دنیا کی تمام کامیابیوں اور خوش حالیوں سے آنکھیں بند کرلیں، اور زریں مواقع کھو دیئے، پانی کی طرح خون بہایا، اور اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی عورتوں کو بیوہ کیا، ان مقاصد ومشاغل کے لیے جن پر آج مسلمان قانع نظر آتے ہیں اس ہنگامہ آرائی اور اس محشر خیزی کی ضرورت نہ تھی، اس کے حصول کا راستہ تو بالکل بے خطر اور ہموار تھا اور اس راستہ پر معاصر دنیا سے کوئی بڑی کشمکش اور تصادم نہیں تھا۔ اور نہ یہ اہل عرب اور دنیا کی دوسری قوموں کے لیے وجہ شکایت تھی، انہوں نے تو بار بار انہیں چیزوں کی پیش کش کی (جو آج عام مسلمانوں کا منتہا ہے) اور ہر بار اسلام کے داعی نے ان کو ٹھکرایا، دولت وسرداری اور عیش وعشرت اور راحت وآسانی کی بڑی پیش کش کو نامنظور کیا، پھر اگر مسلمان کو اسی سطح پر آجانا تھا جس پر زمانۂ بعثت کی تمام کافر قومیں تھیں، اور اس وقت بھی دنیا کی تمام غیر مسلم آبادی ہے، اور زندگی کے انہیں مشاغل میں منہمک اور سرتاپا غرق ہو جانا تھا، جن میں اہل عرب اور رومی وایرانی ڈوبے ہوئے تھے۔ اور انہیں کامیابیوں کو اپنا منتہائے زندگی بنالینا تھا جن کو ان کے پیغمبر (ﷺ) ان کے بہترین موقع پر رد کر چکے تھے تو یہ اسلام کی ابتدائی تاریخ پر پانی پھیر دینے کے مترادف ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ انسانوں کا وہ بیش قیمت خون جو بدر وحنین واحزاب اور قادسیہ ویرموک میں بہا گیا، بے ضرورت بہایا گیا۔

آج اگر سرداران قریش کو کچھ بولنے کی طاقت ہو تو مسلمانوں کو خطاب کر کے وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تم جن چیزوں کے پیچھے سرگرداں ہو اور جن چیزوں کو تم نے اپنا حاصل زندگی سمجھ رکھا ہے انہیں چیزوں کو ہم گنہگاروں نے تمہارے پیغمبر (ﷺ) کے سامنے پیش کیا تھا وہ تمام چیزیں اس وقت خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر حاصل ہو سکتی تھیں تو کیا ساری جدوجہد کا حاصل اور ان تمام قربانیوں کی قیمت وہ طرز زندگی ہے جس کو تم نے اختیار کیا ہے، اور زندگی واخلاق کی وہی سطح ہے جس پر تم نے قناعت کر لی ہے۔ اگر ان سرداران قریش میں سے جو اسلام کے حریف تھے کسی کو یہ جرح کرنے کا موقع ملے تو آج ہمارا کوئی بڑے سے بڑا لائق وکیل بھی اس کا تشفی بخش اور مسکت جواب نہیں دے سکتا اور امت کے لیے اس پر شرمندہ ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں رسول ﷺ کو مسلمانوں کے متعلق یہی خطرہ تھا کہ دنیا میں پڑ کر اپنا مقصد نہ بھول جائیں اور دنیا کی عام سطح پر نہ آجائیں آپ نے وفات کے قریب جو تقریر فرمائی اس میں مسلمانوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

ماالفقرا خشے علیکم ولکنی اخشی ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسو ھا فتھلکم کما اھلکتھم (مجھے تمہارے بارے میں کچھ فقر وافلاس کا خطرہ نہیں ہے، مجھے تو اس کا اندیشہ ہے کہ کہیں دنیا میں تم کو بھی وہی کشائش نہ حاصل ہو جائے جیسی تم سے پہلے لوگوں کو حاصل ہوئی تو تم بھی اسی طرح اس میں حرص ومقابلہ کرو جیسے انہوں نے کیا تو تم کو بھی اسی طرح ہلاک کر دے جیسے ان کو ہلاک کیا۔

مدینہ کے انصاریوں نے جب اس بات کا ارادہ کیا کہ جہاد کی مشغولیت اور اسلام کی جدوجہد سے کچھ دنوں کی فرصت حاصل کر کے اپنے باغوں کھیتوں اور کاروبار میں مشغول ہونے کی اجازت حاصل کرلیں، یہ خطرہ بھی ان کے دل میں نہیں گزر سکتا تھا کہ وہ ارکان دین نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ سے بھی کچھ دنوں کے لیے اپنے کاروبار کی دیکھ بھال کے لئے اپنے آپ کو(۱)

(۱) مستثنیٰ کرالیں لیکن اسلام کے عملی جدوجہد اور دین کے فروغ اور اس کے غلبہ کی کوشش سے ان کی اس عارضی یکسوئی کو بھی خودکشی کا مترادف قرار دیا گیا اور سورہ بقرہ کی آیت نازل ہوئی جس کی تفسیر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی

(بقیہ صفحہ.....۱۹.....پر)

محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ

# حرمت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

حفاظت دین کے ذرائع میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت سر فہرست ہے۔ ان حضرات نے براہ راست صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کو سمجھا، دین پر عمل کیا اور اپنے حد آنے والی نسل تک دین کو من وعن پہنچایا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت رہ کر اخلاص واعمال کو ٹھیک ٹھیک منشائے خداوندی کے مطابق درست کیا۔ سیرت وکردار کی پاکیزگی حاصل کی۔ تمام باطل نظریات سے کنارہ کش ہوکر عقائد حقہ اختیار کئے۔ رضائے الٰہی کیلئے سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نچھاور کردیا۔ ان کے کسی طرز عمل میں ذرا خامی نظر آئی تو فوراً حق جل مجدہ نے اس کی اصلاح فرمائی۔

الغرض حضرات صحابہ کرامؓ کی جماعت اس پوری کائنات میں وہ خوش قسمت جماعت ہے جن کی تعلیم وتربیت اور تصفیہ وتزکیہ کے لئے سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم ومزکی اور استاذ واتالیق مقرر کیا گیا۔ اس انعام خداوندی پر وہ جتنا شکر کریں، کم ہے، جتنا فخر کریں بجا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ پاک نے ارشاد فرمایا:

''بے خدا بہت بڑا احسان فرمایا اللہ نے مومنین پر کہ ان میں ایک عظیم الشان رسول، ان ہی میں سے بھیجا۔ پڑھتا ہے ان کے سامنے اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور گہری دانائی، بلاشبہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔'' (آل عمران : ۱۶۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی وعملی میراث اور آسمانی امانت چونکہ ان حضرات کے سپرد کی گئی تھی اس لئے ضروری تھا کہ یہ حضرات آئندہ نسلوں کے لئے قابل اعتماد ہوں۔ چنانچہ قرآن وحدیث میں جابجا ان کے فضائل ومناقب بیان کئے گئے۔ چنانچہ وحی خداوندی نے ان کی تعدیل فرمائی، ان کا تزکیہ کیا، ان کے اخلاص وللّٰہیت پر شہادت دی اور انہیں یہ رتبہ بلند ملا کہ ان کو رسالت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے گواہوں کی حیثیت سے ساری دنیا کے سامنے پیش کیا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور جو ایمان دار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں شفیق ہیں، تم ان کو دیکھوں گے رکوع، سجدے میں، وہ چاہتے ہیں صرف اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی، ان کی علامت ان کے چہروں پر سجدے کا نشان ہے۔'' (الفتح : ۲۹)

(الف) گویا یہاں ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں'' ایک دعویٰ ہے اور اس کے ثبوت میں حضرات صحابہ کرامؓ کی سیرت وکردار کو پیش کیا گیا ہے کہ جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں شک وشبہ ہو، اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی پاکیزہ زندگی کا ایک نظر مطالعہ کرنے کے بعد خود اپنے ضمیر سے یہ فیصلہ لینا چاہئے کہ جس کے رفقا اتنے بلند سیرت اور پاک باز ہوں، وہ خود صدق وراستی کے کتنے اونچے مقام پر فائز ہوں گے۔

کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

(ب) حضرات صحابہؓ کے ایمان کو معیار حق قرار دیتے ہوئے نہ صرف لوگوں کو اس کا نمونہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی، بلکہ ان حضرات کے بارے میں لب کشائی کرنے والوں پر نفاق وسفاہت کی دائمی مہر ثبت کردی گئی:

''اور جب ان منافقوں سے کہا جائے تم بھی ایسا ہی ایمان لاؤ جیسا دوسرے لوگ صحابہ کرام ایمان لائے ہیں تو جواب میں کہتے ہیں کہ ان بے وقوفوں جیسا ایمان لائیں؟ سن لو وہ لوگ ہی بے وقوف ہیں



مگر نہیں جانتے۔'' (البقرۃ : ۱۳)

(ج) حضرات صحابہ کرامؓ کو بار بار رضی اللہ عنہم ورضوانہ (اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے) کی بشارت دی گئی اور امت کے سامنے یہ اس شدت وکثرت سے دہرایا کہ صحابہ کرام کا یہ لقب امت کا تکیۂ کلام بن گیا۔ کسی نبی کا اسم گرامی آپ ''علیہ السلام'' کے بغیر نہیں ہوسکتا، اور کسی صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ''رضی اللہ عنہ'' کے بغیر مسلمان کی زبان پر جاری نہیں ہوسکتا، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ظاہر کو دیکھ کر راضی نہیں ہوا، نہ صرف ان کے موجودہ کارناموں کو دیکھ کر، بلکہ ان کے ظاہر وباطن اور حال ومستقبل کو دیکھ کر ان سے راضی ہوا ہے۔ گویا اس بات کی ضمانت ہے کہ آخر دم تک ان سے رضائے الٰہی کے خلاف کچھ صادر نہیں ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جس سے خدا راضی ہوجائے، خدا کے بندوں کو بھی اس سے راضی ہوجانا چاہئے، کسی اور کے بارے میں تو ظن وتخمین ہی سے کہا جاسکتا ہے کہ خدا اس سے راضی ہے یا نہیں؟ مگر صحابہ کرامؓ کے بارے میں تو نص قطعی موجود ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی ان سے راضی نہیں ہوتا تو گویا اسے اللہ تعالیٰ سے اختلاف ہے اور پھر اتنی بات کو کافی نہیں سمجھا گیا کہ ''اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا'' بلکہ اسی کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ ان حضرات کی عزت افزائی کی انتہا ہے۔

(د) حضرات صحابہ کرامؓ کے مسلک کو ''معیاری راستہ'' قرار دیتے ہوئے اس کی مخالفت کرنا براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے ہم معنی قرار دیا گیا اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو وعید سنائی گئی:

''اور جو شخص مخالفت کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، جب کہ اس کے سامنے ہدایت کھل چکی اور چلے مومنوں کی راہ چھوڑ کر ہم اسے پھیر دیں گے جس طرف پھرتا ہے۔'' (النساء : ۱۱۵)

آیت میں ''المومنین'' کا اولین مصداق اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس جماعت ہے۔ رضی اللہ عنہم اس سے واضح ہوتا ہے کہ اتباع نبوی کی صحیح شکل صحابہ کرامؓ کی سیرت وکردار اور ان کے اخلاق واعمال کی پیروی میں منحصر ہے اور یہ تبھی ممکن ہے جب کہ صحابہؓ کی سیرت کو اسلام کے اعلیٰ معیار پر تسلیم کیا جائے۔

(د) اور سب سے آخری بات یہ کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ عاطفت میں آخرت کی ہر عزت سے سرفراز کرنے اور ہر ذلت ورسوائی سے محفوظ رکھنے کا اعلان فرمایا گیا:

''جس دن رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ نبی کو اور جو مومن ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے داہنے۔''

اس قسم کی بیسیوں نہیں، بلکہ سیکڑوں آیات میں صحابہ کرام کے فضائل ومناقب مختلف عنوانات سے بیان فرمائے گئے ہیں اور اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ دین کے سلسلہ سند کی یہ پہلی کڑی اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ حضرات کی جماعت..... معاذ اللہ..... ناقابل اعتماد ثابت ہو، ان کے اخلاق واعمال میں خرابی نکالی جائے اور ان کے بارے میں یہ فرض کرلیا جائے کہ وہ دین کی علمی وعملی تدبیر نہیں کرسکے تو دین اسلام کا سارا ڈھانچہ ہل جاتا ہے اور خاکم بدہن رسالت محمدیہ مجروح ہوجاتی ہے۔

دنیا کا ایک معروف قاعدہ ہے کہ اگر کسی خبر کو رد کرنا ہو تو اس کے راویوں کو جرح وقدح کا نشانہ بناؤ، ان کی سیرت وکردار کو ملوث کرو اور ان کی ثقاہت وعدالت کو مشکوک ثابت کرو۔ صحابہ کرام چونکہ دین محمدی کے سب سے پہلے راوی ہیں، اس لئے چالاک فتنہ پردازوں نے جب دین اسلام کے خلاف سازش کی اور دین سے لوگوں کو بدظن کرنا چاہا تو ان کا سب سے پہلا ہدف صحابہ کرامؓ تھے۔ چنانچہ تمام فرق باطلہ اپنے نظریاتی اختلاف کے باوجود جماعت صحابہ کرام کو ہدف تنقید بنانے میں متفق نظر آتے ہیں۔ ان کی سیرت وکردار کو داغ دار بنانے اور ان کی شخصیت کو نہایت گھناؤنے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی، ان کے اخلاق واعمال پر تنقیدیں کی گئیں، ان پر مال وجاہ کی حرص میں احکام خداوندی سے پہلوتہی کرنے کے الزامات دھرے گئے، ان پر خیانت، غصب اور کینہ پروری، اقربا نوازی کی تہمتیں لگائیں گئیں، اور غلو وانتہا

پسندی کی حد ہے کہ جن پاکیزہ ہستیوں کے ایمان کو حق تعالیٰ نے ''معیار'' قرار دے کر ان جیسا ایمان لانے کی لوگوں کو دعوت دی تھی ''آمنو کما آمن الناس'' انہی کے ایمان وفکر کا مسئلہ زیر بحث لایا گیا، اور تکفیر وتفسیق تک نوبت پہنچادی گئی۔ جن جانبازوں نے دین اسلام کو اپنے خون سے سیراب کیا تھا، انہی کے بارے میں چیخ چیخ کر کہا جانے لگا کہ وہ اسلام کے اعلیٰ معیار پر قائم نہیں رہے تھے۔ جن مردان خدا کے صدق وامانت کی خدا تعالیٰ نے گواہی دی تھی :

''یہ وہ ''مرد'' ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا جو عہد انہوں نے اللہ سے باندھا، بعض نے تو جان عزیز تک اسی راستے میں دے دی، اور بعض بے چینی سے اس کے منتظر ہیں اور ان کے عزم واستقلال میں ذرا تبدیلی نہیں آئی۔''

انہی کے حق میں بتایا جانے لگا کہ نہ وہ صدق وامانت سے متصف تھے، نہ اخلاص وایمان کی دولت انہیں نصیب تھی۔ جن مخلصوں نے اپنے بیوی بچوں کو، اپنے گھربار کو، اپنے عزیز واقارب کو، اپنے دوست واحباب کو، اپنی ہر لذت وآسائش کو اپنے جذبات وخواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کردیا تھا، انہی کو یہ طعنہ دیا گیا کہ وہ محض حرص وہوا کے غلام تھے اور اپنے مفاد کے مقابلے میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی انہیں کوئی پروا نہیں تھی۔ لقد جئتم شیئا ادا.

ظاہر ہے کہ اگر امت کا معدہ ان بے ہودہ نظریات کی مردہ مکھی کو قبول کرلیتا اور ایک بار بھی صحابہ کرامؓ امت کی عدالت میں مجروح قرار پاتے تو دین کی پوری عمارت گر جاتی۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے ایمان اٹھ جاتا اور یہ دین جو قیامت تک رہنے کے لئے آیا تھا، ایک قدم آگے نہ چل سکتا، مگر یہ سارے فتنے جو بعد میں پیدا ہونے والے تھے، علم الٰہی سے اوجھل نہیں تھے۔ اس کا اعلان تھا :

''اور اللہ اپنا نور پورا کرکے رہے گا، خواہ کافروں کو کتنا ناگوار ہو۔''

یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بار بار مختلف پہلوؤں سے صحابہ کرام کا تزکیہ فرمایا، ان کی توثیق وتعدیل فرمائی اور قیامت تک کے لئے یہ اعلان فرمادیا :

''یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے لکھ دیا ان کے دل میں ایمان اور مدد دی ان کو اپنی خاص رحمت سے۔''

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کے بے شمار فضائل بیان فرمائے بالخصوص خلفائے راشدین، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان ذی النورینؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ کے فضائل کی تو انتہا کردی، جس کثرت وشدت اور تواتر وتسلسل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے فضائل ومناقب، ان کے مزایا وخصوصیات اور ان کے اندرونی اوصاف وکمالات کو بیان فرمایا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے علم میں یہ بات لانا چاہتے تھے کہ انہیں عام افراد امت پر قیاس کرنے کی غلطی نہ کی جائے۔ ان حضرات کا تعلق چونکہ براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہے، اس لئے ان کی محبت عین محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ان کے حق میں ادنیٰ لب کشائی ناقابل معافی جرم ہے۔ فرمایا :

''اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملے میں۔ مکرر کہتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملے میں، ان کو میرے بعد ہدف تنقید نہ بنانا، کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر اور جس نے ان سے بدظنی کی تو مجھ سے بدظنی کی بنا پر، جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔''

(ترمذی)

امت کو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا گیا کہ تم میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ فرد کی بڑی سے بڑی نیکی ادنیٰ صحابی کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا مقابلہ نہیں کرسکتی، اس لئے ان پر زبان تشنیع دراز کرنے کا حق امت کے کسی فرد کو حاصل نہیں۔ ارشاد ہے :

''میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ تمہارا وزن ان کے مقابلے میں اتنا بھی نہیں جتنا پہاڑ کے مقابلے میں ایک تنکے کا ہوسکتا ہے۔ چنانچہ تم میں سے ایک شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے تو ان کے ایک سیر جو کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کے عشر عشیر کو۔''



مقام صحابہ کی نزاکت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ امت کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ ان کی عیب جوئی کرنے والوں کو نہ صرف ملعون ومردود سمجھیں، بلکہ برملا اس کا اظہار کریں۔ فرمایا :

''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں اور انہیں ہدف تنقید بناتے ہیں تو ان سے کہو تم میں سے (یعنی صحابہ اور ناقدین میں سے) جو برا ہے اس پر اللہ کی لعنت۔'' ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کو برا بھلا کہنے والا ہی بدتر ہوگا۔

یہاں تمام احادیث کا استیعاب مقصود نہیں، بلکہ کہنا یہ ہے کہ ان قرآنی ونبوی شہادتوں کے بعد بھی اگر کوئی شخص حضرات صحابہ کرامؓ میں عیب نکالنے کی کوشش کرے تو اس بات سے قطع نظر کہ اس کا یہ طرز عمل قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور ارشادات نبوت کے انکار کے مترادف ہے، یہ لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو فرائض بہ حیثیت منصب نبوت کے عائد کئے تھے اور جن میں اعلیٰ ترین منصب تزکیہ نفوس کا تھا، گویا حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرض منصبی کی بجاآوری سے قاصر رہے اور تزکیہ نہ کرسکے اور یہ قرآن کریم کی صریح تکذیب ہے۔ حق تعالیٰ تو ان کے تزکیے کی تعریف فرمائے اور ہم انہیں مجروح کرنے میں مصروف رہیں اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تزکیے سے قاصر رہے تو گویا حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب صحیح نہیں فرمایا تھا۔ انا للہ، بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے انتخاب میں قصور نکالا تو اللہ تعالیٰ کا علم غلط ہوا۔ نعوذ باللہ من الغوایۃ والسفاھۃ.

چنانچہ اہل ہوا کی بڑی جماعت کا دعویٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ''بدا'' ہوتا ہے یعنی اسے بہت سی چیزیں جو پہلے معلوم نہیں تھیں، بعد میں معلوم ہوتی ہیں اور اس کا پہلا علم غلط ہوجاتا ہے۔ جن لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ تصور ہو، رسول اور نبی اور ان کے بعد صحابہ کرام کا ان کے نزدیک کیا درجہ رہے گا۔

الغرض صحابہ کرامؓ پر تنقید کرنے، ان کی غلطیوں کو اچھالنے اور انہیں مورد الزام بنانے کا قصہ صرف ان ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ خدا اور رسول، کتاب وسنت اور پورا دین اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور دین کی ساری عمارت منہدم ہوجاتی ہے۔ اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے :

''جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔''

یہی وجہ ہے کہ تمام فرق باطلہ کے مقابلے میں اہل حق کا امتیازی نشان صحابہ کرام کی عظمت ومحبت رہا ہے۔ تمام اہل حق نے اپنے عقائد میں اس بات کو اجماعی طور پر شامل کیا ہے کہ :

''اور ہم صحابہ کا ذکر بھلائی کے سوا کسی

(بقیہ صفحہ ۴۰ پر)

## بقیہ.....لباس کے متعلق اسلامی اصول

کے مقابل دوسرا طریقہ اختیار کرے تو وہ خلاف سنت ہے۔ اور جو عمل خلاف سنت ہوگا وہ کم از کم مکروہ ضرور ہوگا لیکن ایک چیز وہ ہے جس پر خود حضور اقدس ﷺ نے عمل نہیں فرمایا۔ اب اگر کوئی شخص اس پر عمل کرے تو اس کو خلاف سنت نہیں کہا جائے گا۔ مثلاً حدیث شریف میں ہے کہ نہ تو حضور اقدس ﷺ کے لیے کبھی چپاتی بنائی گئی اور نہ آپ ﷺ نے کبھی سکرجہ یعنی چھوٹی طشتری میں کھانا کھایا طشتری میں کھانا خلاف سنت ہے، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ یہ عمل سنت نہیں ہے اور سنت نہ ہونے سے اس کا خلاف سنت ہونا لازم نہیں آتا۔

اسی طرح قمیص میں کف لگانا یا جیب لگانا اگر حضور اقدس ﷺ سے ثابت نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ یہ سنت نہیں لیکن اس کو خلاف سنت کہہ کر اس کو مکروہ سمجھنا صحیح نہیں۔

ہاں البتہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آدمی حضور اقدس ﷺ کی سنت سے جتنا قریب رہے گا اتنا ہی اس عمل میں نور وبرکت اور اجر وثواب ہوگا۔ اور جتنا سنت سے دور ہے گا اتنا ہی اس کے اندر بے برکتی ہوگی۔ لہٰذا ہر بات کو اپنے محل پر رکھنا چاہئے اور اس کو اپنے محل اور موقع سے آگے بڑھانا درست نہیں۔

●●

# انبیاء علیہم السلام کا حقیقی کمال

مولانا اخلاق حسین قاسمی

جائے کہ شیر مرداں در معرض عتاب اند
روباہ سیر تا نرا آنجا چہ تاب باشد

انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات کو قرآن حکیم جس خوبی سے بیان کرتا ہے وہ خدا کے اس مقدس کلام ہی کا حق ہے۔

یہ خدا تعالیٰ کا مقدس کلام، وہ خدا کے مقبول بندے! اس سے زیادہ نہ انہیں کوئی سمجھ سکتا ہے، اور نہ سمجھنے کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ دنیا نے جب کبھی خدا کے کلام سے ہٹ کر اپنے ان ہادیوں اور پیشواؤں کو سمجھنے کی کوشش کی تو وہ جذبات عقیدت کی رو میں بہہ گئے، فکر صحیح سے بھی محروم ہوئے اور عمل واخلاق کی بہترین زندگی بھی انہیں میسر نہ ہوسکی۔

مندرجہ ذیل سطروں میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی سیرت کا ایک خاص پہلو پیش کیا گیا ہے، وہ پہلو جسے قرآن حکیم نے خاص طور پر نمایاں طور پر جگہ جگہ نمایاں کیا ہے اور اس سے نوع انسانی کو ہدایت کا ایک گرانقدر سبق دیا ہے۔

وہ پہلو ہے عبدیت اور بندگی، عجز ونیاز، انبیاء علیہم السلام ہر آن اور ہر لحہ اپنے مالک حقیقی کی طاقت پر نظر رکھتے ہیں، اس کی طاقت کو اصل طاقت سمجھتے ہیں۔ اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ پیغمبران علیہم السلام کے پاس کسی قسم کی طاقت نہیں ہوتی، اس کے پاس خدائی طاقت کے غیر فانی خزانے ہوتے ہیں۔ ایسے خزانے نہیں جن کا خود پیغمبر کو علم نہ ہوتا ہو، بلکہ ایسے خزانے جن کا یقین ومشاہدہ پیغمبر کو بھی ہوتا ہے اور ان لوگوں کو بھی جو پیغمبر کو ایمان وبصیرت کی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔

طاقت کی تفسیر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو یقین کامل ہوتا ہے کہ وہ خدا کی بارگاہ میں مقبول ومنصور ہیں، اس لئے کائنات کی ساری قوتوں کا ان کے اشارے پر حرکت میں آنا یقینی ہے، خدا کے وعدوں میں انہیں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہوتا۔ انہیں اپنے ہادی اور مہدی ہونے کا بھی یقین ہوتا ہے اور ہر قسم کی کمزوریوں سے محفوظ اور معصوم ہونے کا بھی۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود اپنے آپ کو ایک عاجز بندے کی طرح پیش کرتے ہیں، ان میں ایک محتاج بندے کی طرح بے قراری اور بے چینی پائی جاتی ہے۔ وہ ہر وقت خدا کے خوف کے احساس میں غوطہ زن رہتے ہیں۔

اس احساس ومزاج کی چند مثالیں قرآن کریم سے پیش کی جاتی ہیں۔

## پہلی مثال

حضرت شعیب علیہ السلام نے جب مدین والوں کو حق کی دعوت دی تو مدین کے بڑے آدمیوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت ٹھکرادی۔ اور کہا:

''ہم تجھے اور تیرے ساتھیوں کو بستی سے باہر کردیں گے۔ یا یہ ہو کہ تم لوگ اپنے آبائی دین میں واپس لوٹ آؤ۔''

ملک بدر کرنے یا کفر اختیار کرنے کی دھمکی سن کر حضرت شعیبؑ نے فرمایا:

''اگر ہم تمہاری دھمکی میں آکر دین حق چھوڑ دیں اور پھر کفر اختیار کرلیں تو اس صورت میں ہم خدا تعالیٰ پر جھوٹ کا بہتان باندھنے والے قرار پائیں گے۔''

''اور ہمارا کام نہیں کہ پھر آئیں اس میں مگر کبھی اللہ چاہے، رب ہمارا۔''

(سورۂ اعراف)

یعنی ہمارے لئے نہ یہ بات ممکن ہے اور نہ ہمیں یہ بات لائق ہے کہ ہم ہدایت پر آنے کے بعد پھر گمراہی میں مبتلا ہوجائیں، البتہ اگر خدا تعالیٰ ہی کی مشیت یہ ہو تو اور بات ہے۔

ایک پیغمبر کیلئے ناممکن ہے کہ وہ کفر اختیار کرے، جب منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے ایک نبی کفر وشرک سے



پاک رہتا ہے تو نبوت کے فائز ہوجانے کے بعد وہ کیسے اس تاریکی کی طرف لوٹ جاتا۔

پس اس جملے کے استعمال کی یہی توجیہ ہوسکتی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے دل میں خدا کی عظمت وبے نیازی اور اس کے مقابلے میں اپنی عبدیت ونیازمندی کا زبردست احساس موجود تھا، ایسا احساس جس کی مثال انبیاء کے سوا دوسری جگہ ملنی مشکل ہے۔ اس جملے سے حضرت شعیبؑ کا مطلب یہ تھا کہ میں پیغمبر ہوں، میرے لئے ممکن نہیں کہ میں کفر اختیار کروں، لیکن اتنا بڑا دعویٰ میں اپنی طاقت کے بل بوتے پر نہیں خدا تعالیٰ کے بھروسے پر کررہا ہوں اور ایک نبی کی نظر ہمیشہ خدا ہی کی ذات پر ہوتی ہے۔

## دوسری مثال

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبے کی تعمیر کے بعد دعا فرمائی:

''اے رب! کر اس شہر کو امن کا اور بچا مجھ کو اور میری اولاد کو اس سے کہ پوجیں مورتیاں۔''

ابراہیم علیہ السلام توحید کے داعی اعظم تھے۔ انبیاء علیہم السلام میں یہ اسی خطاب سے پکارے جاتے ہیں۔ توحید کا داعی یہ دعا کررہا ہے کہ مجھے بت پرستی سے بچا۔ کیا ابھی تک ابراہیم علیہ السلام بت پرستی سے بچے نہیں تھے اور کیا زندگی کے کسی دور میں بھی ان سے بت پرستی کا ارتکاب ہوا تھا؟ نہیں، قطعاً نہیں ہوا، پھر یہ دعا کیسی؟

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اسی اشکال سے بچنے کے لئے ترجمے میں یہ رعایت رکھی ہے، فرماتے ہیں: ''دور دار مرا'' یعنی دور رکھنا بھی تیری ہی عنایت پر موقوف ہے۔

اصل میں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دعا کرنی تھی اپنی اولاد کے لئے، لیکن اگر صرف اولاد کے لئے دعا کرتے تو اس سے کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ کیا حضرت ابراہیمؑ خود اپنی طرف سے مطمئن ہیں، خود بے نیاز ہیں؟ جو اس موقع پر اپنی ذات کے لئے کچھ نہیں فرماتے۔

یہ صحیح ہے کہ ایک نبی کو کفر ومعصیت کے ہر خطرے سے مطمئن ہونا چاہئے اور درحقیقت وہ ہوتا بھی ہے لیکن وہ اطمینان اسی درجے میں ہوتا ہے کہ نبی کی عبدیت ونیازمندی اور توجہ الی اللہ میں فرق نہیں پڑتا۔ اور یہی ان کی شان کا کمال ہوتا ہے کہ باوجود پورے اطمینان کے ہر وقت خدا پر نظر رکھتے ہیں، اس لئے استقامت کے متجی رہتے ہیں اور اپنے اس طرز عمل سے دنیا کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نبی معصوم ہوتا ہے، ضرور ہوتا ہے لیکن نبی کی صفت عصمت بھی خدا تعالیٰ ہی کی حفاظت وصیانت سے قائم رہتی ہے۔ پس ان کے ماننے والوں کو بھی یہی چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی عظمت ہی کو اصل عظمت سمجھیں۔ انبیاء علیہم السلام کے کمالات پر شیدا ہوکر کمالات کے حقیقی سرچشمہ (ذات حق) سے ایک لمحے کیلئے بھی غافل نہ ہوں۔ اسی طریق کار سے ایمان کی حفاظت ہوسکتی ہے، ورنہ افراط وتفریط میں مبتلا ہوکر تباہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

## تیسری مثال

حضرت یوسف علیہ السلام زندگی کے آخری دور میں دعا فرماتے ہیں:

''اے رب تو نے دی مجھ کو کچھ سلطنت اور سکھایا مجھ کو کچھ پھیر باتوں کا، اے پیدا کرنے والے آسمان وزمین کے! تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں، موت دے مجھ کو اسلام پر اور ملا مجھ کو نیک بختوں میں۔'' (سورۂ یوسف)

یوسف علیہ السلام کو جس ذات نے ظاہری شان وشکوت (ملک) اور باطنی دولت (تاویل احادیث) سے بھرپور نوازا، کیا وہ اسلام پر ان کا انجام بخیر نہ کرتا اور کیا انہیں آخرت کی زندگی میں نیک بندوں میں شامل نہ فرماتا۔ اگر نبی کو بھی اپنے انجام کی بہترین کا یقین نہیں ہوسکتا تھا تو پھر کسے ہوسکتا ہے؟

یقیناً غلامی میں شہنشاہی کے مقام پر پہنچانے والے خدا کی طرف سے حضرت یوسفؑ کو اطمینان تھا کہ وہ انجام بھی اتنا ہی شان دار کرے جتنا شان دار اس نے آغاز یعنی دنیا کی زندگی کو بنایا ہے لیکن اس اطمینان ویقین کے باوجود بندگی ونیاز، افتقار واحتیاج کا یہ اعلان واظہار اس لئے تھا کہ یہ اپنی جگہ ایک مستقل کمال ہے اور مستقل شان ہے جو ایک مقبول بارگاہ بندے کے مراتب کو بلندی

سے انتہائی بلندیوں تک پہنچادیتی ہے۔

نیز اس میں امت کے لئے یہ سبق ہے کہ جب ہم رسولانِ مقدس ہر آن اور ہر لمحہ بندگی اور عجز و نیاز ہی میں اپنا کمال سمجھتے ہیں تو تم بھی ہمیں حد بندگی سے آگے نہ بڑھانا اور ہم سے وہ معاملہ نہ کرنا جو خدائے قادر وقدیر سے کرنا چاہئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کا ایک اور مقام بھی ملاحظہ فرمائیے۔

شاہ مصر کے سامنے جب مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی پر شہادت دی اور اپنے قصور کا اعتراف کیا تو اس پر حضرت یوسف نے فرمایا :

''میں نے یہ تحقیق و تفتیش صرف اس لئے کرائی کہ میرے محسن عزیز مصر کو یہ معلوم ہوجائے کہ میں نے اس میں عدم موجودگی میں اس کی امانت میں خیانت نہیں کی۔''

حضرت یوسف نے اپنی برأت پر زور دیا اور بغیر تحقیق و تفتیش کے جیل خانے سے باہر آنے سے انکار کردیا۔ ان کی عصمت کا اسی طرح اعلان کرنا چاہئے تھا :

''اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو، جی تو سکھاتا ہے برائی مگر جو رحم کیا میرے رب نے، بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس کی کیا وجہ ہے؟ اگر ایک رسول پاکیزہ نفس اور پاک دامن نہیں ہوتا تو کون ہوتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ منصب نبوت کا تقاضا تھا کہ حضرت یوسف اپنی برأت کا کھلے بندوں اعلان کراتے۔ چنانچہ جب اعلان کرایا تو صفت عبدیت اور شانِ بندگی جوش میں آگئی۔ خیال آیا کہ سننے والے یہ نہ سمجھیں کہ یوسف کو اپنی پاک دامنی پر ناز ہے۔ یوسف از راہِ شیخی معاملے کی تحقیق کرا کر اپنی ثقاہت کا اعلان کرنا چاہتے ہیں۔ یوسف کو اپنی ذات اور اپنے کردار پر بڑا بھروسا ہے۔

اس خیال کے آتے ہی فرمایا :

''میں نہیں کہتا کہ میرا نفس پاک ہے، پاک وہی ہے، جسے خدا پاک رکھے، خدا تعالیٰ کی رحمت خصوصی ہی ہے جو رسولوں کی عصمت و حفاظت کی کفیل بنتی ہے، یوسف کو اصل بھروسا اسی پر ہے، اگر منصب نبوت کا تقاضا نہ ہوتا تو شاید میں اس پر اصرار ہی نہ کرتا، کرم ہے اس غفور و رحیم کا کہ اس نے اس ابتلا میں یوسف کو ثابت قدم رکھا، اور آج حقیقت کھل کر سامنے آگئی۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے ان الفاظ پر بھی غور کیجئے :

''جس نے مجھے بنایا وہی مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں تو وہی شفا دیتا ہے، اور وہ جو مجھ کو مارے گا پھر جلائے گا اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے گا، میری تقصیر انصاف کے دن۔'' (شعراء)

ایک پیغمبر اور قیامت کے دن مغفرت کی توقع کا اظہار، جس کے دم سے لاکھوں کی مغفرت ہو، ہزاروں ہدایت پاکر بخشش کے مستحق بنیں وہ خود اپنی مغفرت کے لئے ان الفاظ میں محتاجی کا اظہار کرے، پھر دعا کے الفاظ میں ادب کی رعایت اس قدر کہ تمام الفاظ کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف اور بیماری کی نسبت اپنی طرف۔

## مکمل مثال

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی اور زندگی کی تمام ادائیں اسی صفت عبدیت وانکسار کا روشن مظہر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے ہر گوشے میں شانِ عبدیت کی جھلک موجود ہے، یہاں تک کہ آپ کے اسی کمال نے حضرت حق سے یہ اعلان کرادیا کہ یوں تو بندے میرے کروڑوں ہیں، مگر ان میں ''بندہ'' کا لقب پانے کا اگر کوئی مستحق ہے تو وہ ہمارے آخری نبی ہیں۔

## محمد أعبدہ ورسولہ

اس شانِ بندگی کا وجد آفریں منظر دیکھنا ہو تو بدر کے میدان میں پھونس کی بنی ہوئی اس جھونپڑی کی طرف دیکھو جس میں رحمتِ عالم اپنے کمزور مٹھی بھر غلاموں کے لئے دعا میں مصروف ہیں۔

خدا تعالیٰ نے وعدہ فرما رکھا ہے، ارشاد ہے :

''بے شک ہم رسولوں کی اور مسلمانوں کی مدد کریں گے دنیا کی زندگی میں۔'' (القرآن الحکیم)

خاص طور پر آج کے دن کے لئے بھی



مدد اور فتح کی پیشین گوئی فرمادی گئی تھی :

''اور وہ تو چاہتے تھے کہ گھیر دیں تجھ کو اس زمین سے تاکہ نکال دیں تجھ کو یہاں سے اور اس وقت نہ ٹھہریں گے وہ بھی تیرے پیچھے مگر تھوڑا۔'' (بنی اسرائیل)

اس وعدۂ حق پر نبی کو یقین ہے، اپنے ساتھیوں کو اطمینان دلاتے ہوئے مدینہ سے باہر نکل کر ارشاد فرماتے ہیں :

''چلو خدا کی برکت و رحمت پر بھروسا کرکے اور خوش خبری سنو کہ خدا تعالیٰ نے دو جماعتوں میں سے ایک جماعت پر فتح یاب کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور خدا کی قسم میں اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ قریش کے لوگ کہاں کہاں پچھڑے پڑے ہیں۔''

(ابن کثیر سورۂ انفال)

اس کے باوجود حالت کیا ہے؟ حضرت عمرؓ کا بیان سنئے جو اس واقعے کے عینی شاہد ہیں :

بدر کے میدان میں پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب پر نظر ڈالی۔ وہ تین سو سے کچھ اوپر تھے۔ پھر مشرکین کے لشکر پر نظر ڈالی اور وہ ایک ہزار سے زیادہ تھے۔

تعداد کا یہ فرق دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جھونپڑی میں تشریف لے گئے، اور قبلہ رُخ ہوکر دعا فرمائی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس پر ایک چادر مبارک تھی اور ایک تہ بند زیب تن فرمائے ہوئے تھے۔ دعا فرما رہے تھے :

''خداوند! مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے اسے پورا فرما۔''

کبھی سجدے میں گر کر فرماتے :

''خداوند! اگر تو نے اس قلیل لشکر اسلام کو ہلاک کردیا تو روئے زمین پر کبھی تو پوجا نہیں جائے گا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر استغراق ومحویت طاری رہی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک شانوں پر چادر مبارک پھسل گئی اور آپ اس عالم فانی سے بے خبر مشاہدۂ جمال الٰہی میں ڈوبے ہوئے یہ التجا کرتے رہے۔

اتفاق کہئے یا الہام ربانی کا اشارہ کہ حضرت ابوبکرؓ جھونپڑی میں تشریف لے آئے۔ دیکھا کہ آقا پر عجیب کیفیت طاری ہے۔ برداشت نہ ہوسکا۔ محبوبِ خدا اور اس قدر الحاح وزاری۔

حضرت ابوبکرؓ نے چادر اٹھائی اور اسے حضورؐ کے مبارک شانوں پر رکھ دیا۔ حضرت عمرؓ کے الفاظ ہی ملاحظہ فرمائیے :

''ابوبکرؓ نے چادر اٹھائی اور کندھوں پر ڈال دیا پھر پیچھے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چمٹ گئے اور عرض کیا، حضور! آپ نے اپنے رب سے کافی مناجات کرلی، پس خدا تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔''

ظاہر کی آنکھیں بند کرکے تصور کی آنکھیں کھول لیجئے۔ غلام آقا سے چمٹے ہوئے ہیں، اور تسلی دیتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ بس کیجئے سرکار، بہت دعا فرمالی، خدا تعالیٰ ضرور وعدہ پورا فرمائے گا۔

جو کیفیت آقا پر طاری تھی وہی کیفیت یارِ غار صدیقؓ پر بھی طاری ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے مولا کے سامنے یہ فرمانا کہ :

''اگر یہ مسلمان ہلاک ہوگئے تو پھر کبھی تیری بندگی نہیں کی جائے گی۔''

بہ ظاہر ایک گستاخانہ جسارت معلوم ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی بندگی بھلا کس پر موقوف ہے۔ وہ تو قادرِ مطلق ہے، کیا وہ اپنی عبادت کے لئے ان ہی تین سو تیرہ کا محتاج تھا؟ معاذ اللہ! لیکن پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا فرمایا، کیا یہی آدابِ بندگی ہے؟

جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت بندگی اور ناز کی دو مختلف کیفیتیں طاری تھیں، بندگی نے جھکادیا۔ ادائے ناز زبان مبارک سے گویا ہوئی کہ مولیٰ تیرے محبوب نے تیرہ سال کی محنت کے بعد یہ مٹھی بھر جماعت تیار کی ہے تاکہ تیرا نام بلند ہو۔ اگر یہ جماعت مٹ گئی تو پھر اتنی محنت کون کرے گا۔ مکے کا وہ آزمائشی دور کس طرح واپس آئے گا۔ اور آج کی فتح کے بعد پھر کفر کی بڑھی ہوئی ہمت کیسے پست ہوگی۔

عام حالات میں اگر کوئی اپنی قربانی اور نیکی پر ناز کرے تو معتوب ہوجائے، لیکن یہ حق صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل تھا کہ مولا کے کے حضور میں اتنی بڑی بات کہہ دیں۔

راقم نے اسی کو ''مقام ناز'' سے تعبیر کیا

ہے۔

اب صدیق اکبرؓ کی حالت پر غور کیجئے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ جانا ایک غلام کے ادب کا یہ کون سا طریقہ ہے؟ یہ تو گستاخی ہے۔

میں کہوں گا ٹھیک ہے، لیکن ابوبکرؓ اس وقت آقا کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ آقا اپنے مولا سے ناز و محبت کے ساتھ پیش آرہے ہیں اور ابوبکرؓ اپنے محبوب پر ناز و نیاز میں ہیں، جہاں قواعد وضوابط کی پہنچ نہیں، قانون کی پرواز نہیں۔

بدر کے روز گھوڑے سوار ہم میں صرف حضرت مقدادؓ تھے۔ اس روز میں نے لشکر پر جو ایک نظر ڈالی تو دیکھا :

''ہم میں سے ہر شخص نیند میں مدہوش تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جاگ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے نماز میں مشغول تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری تھی، یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔'' (ابن کثیر)

بالآخر خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کو تسلی دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کی یہ پیشین گوئی سناتے ہوئے پھونس کے خیمے سے باہر تشریف لائے۔

''فوج کو شکست دی جائے گی اور وہ پشت پھیر دیں گے۔'' (سورہ قمر)

دین کے ہادی ہیں، خدا کی مرضیات کی آخری سند ہیں، اعلان کر دیا گیا ہے کہ دین حق ان ہی کے اسوۂ پاک کا نام ہے لیکن زبان پر اکثر اوقات یہ دعا ہے :

''اے دلوں اور آنکھوں کے پلٹنے والے! ہمارے دلوں کو اپنے دین اور اپنی اطاعت پر جما دے۔''

جس کی استقامت پر خود خدا کو اتنا ناز ہو کہ وہ اعلان کر دے :

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔''

وہ رسول ثبات واستقامت کی اس طرح دعا کرے۔

پھر غور کیجئے :

''اپنے مولا کی عظمت کے سامنے اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا۔''

اس کی کتنی اچھی مثال سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا میں ہے۔ جن کا وجود سراپا خیر وصلاح، جن کی کسی جسمانی یا ذہنی طاقت کا شر وفساد کی طرف مائل ہونا ناممکن، اور یہ بھی ممکن نہیں کہ کفر ونافرمانی، بداخلاقی، اور ریاکاری، ان کی طرف رخ کرے، معاذ اللہ۔

لیکن پھر یہ دعا کس قدر تواضع اور عجز ہے خدا کی بارگاہِ کبریائی میں۔

پھر اس التجا پر غور کیجئے :

جنہیں ساری کائنات کی ہدایت کی ذمہ داری سونپ کر بھیجا وہ یہ درخواست کریں: ''مالک! ایک لمحے کے لئے مجھے میرے حوالے نہ کیجئے۔''

اس دعا کے انداز کو بھی سامنے رکھئے۔

''خداوند! میں خود بھی تیرا بندہ ہوں، میرا باپ بھی تیرا بندہ تھا اور میری ماں بھی تیری بندی تھی، میری گردن تیرے ہی قبضے میں ہے۔ میرے اندر تیرا ہی حکم جاری ہے۔ میرے معاملے میں تیرے تمام فیصلے حق بہ جانب ہیں یعنی میرے ساتھ جو کچھ تو کرتا ہے، صحیح کرتا ہے۔''

(احمد عن ابن مسعودؓ)

تسلیم ورضا، بندگی اور نیازمندی کا اس طرح اظہار سب سے بڑے رسول کی طرف سے خدا تعالیٰ کو کس قدر پسند آیا ہوگا؟

مولانا رومؒ فرماتے ہیں :

سید و سرور محمد نور جاں
مہتر و بہتر شفیع عاصیاں
مرتبہ یہ تھا اور بندگی کا حال یہ تھا کہ
اندریں جا آفتابِ انوری
خدمت ذرہ کند چوں چاکری
ایں ترا باور نیاید مصطفیٰ
چوں ز مسکیناں ہمی جوید دعا

یعنی وہ آفتاب عالم تھے مگر ذروں کی خدمت کرتے تھے۔ مراد ذروں سے صحابۂ کرام ہیں، نیز کون باور کر سکتا ہے کہ وہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم مساکین سے اپنے لئے دعا کرایا کرتے تھے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

### قارئین رضوان سے گذارش

خط وکتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، تاکہ دفتری کارروائی میں آسانی ہو۔

ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:
"Rizwan Monthly"



ڈاکٹر شاہد قمر قاضی

# قرآن مجید کی معجزانہ تاثیر

اہل عرب کو فصاحت وبلاغت کا ایک قدرتی مذاق حاصل تھا۔ مرد، عورت، چھوٹے، بڑے، غلام اور آقا بھی اس چاشنی سے آشنا تھے اور اپنی فصاحت وبلاغت کے مقابلے غیر عرب کو عجمی یعنی گونگا خیال کرتے تھے۔ ان کے شاعر اور خطیب خاص طور پر قادر الکلام ہوتے تھے، ان کو اپنی شیریں بیانی اور سلاست پر بڑا ناز تھا، لوگ ان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے، فصاحت وبلاغت اور قادر الکلامی کی بنا پر انہیں ساحر اور فرشتوں اور شیطانوں کا دوست سمجھا جاتا تھا۔

لیکن جب قرآن نازل ہوا تو اس کے اسلوب بیان کو دیکھ کر سب فصحا وبلغائے عرب حیران رہ گئے، کیونکہ الفاظ کی بندش، تراکیب کی نزاکت، کلمات کی لطافت میں قرآن شعرا وبلغا کے کلام سے کہیں بلند ہے۔ باوجود اس بات کے کہ قرآن مجید نے کفار ومشرکین کو بار بار چیلنج دیا کہ قرآن کی سی ایک سورت بنا کر لائیں، مگر کسی کو مقابلے کی جرأت نہ ہوئی، ایک دفعہ کسی صحابی نے شعرائے عرب کو قرآنی بلاغت سے آشنا کرنے کے لئے سورۃ ''الکوثر'' لکھ کر دیوار کعبہ پر لٹکا دی، شعرا نہایت غور سے پڑھتے لیکن دم نہیں مار سکتے تھے۔ آخر ایک بڑے شاعر نے یہ جملہ لکھ دیا :

واللہ ما ھذا کلام البشر (بہ خدا! یہ انسان کا کلام نہیں ہے)۔

قرآن مجید کی ان معجزانہ خوبیوں میں سے ایک اس کی بے پناہ تاثیر ہے جس کا اعتراف دشمانِ اسلام تک نے کیا ہے۔ بہتوں نے قرآن پاک کی صرف ایک آیت سے متاثر ہو کر اپنا سرمایۂ حیات قربان کر دیا۔ قرآن کی اس قوت وتاثیر اور موثر از بیان کے بارے میں چند تاریخی حقائق مذکور ہیں :

(۱) طفیل بن عمر دوسی ایک مشہور شاعر تھا جب مکہ آیا تھا تو کفار مکہ نے اس سے کہا کہ تم محمد ﷺ کا کلام (قرآن) ہرگز نہ سننا، کیوں کہ اس کا کلام جادو کا اثر رکھتا ہے، کہیں تم پر بھی یہ جادو نہ چل جائے۔ شاعر کہتا ہے کہ مجھے کفار مکہ نے اتنا مجبور کیا کہ میں اس بات پر راضی ہوگیا کہ حضرت سے بات کروں گا اور نہ قرآن سنوں گا۔ علی الصباح جب خانۂ کعبہ کے پاس سے گزرنے لگا تو میں اپنے کانوں میں کپڑا ٹھونس لیا کہ کہیں میرے کان میں قرآن کے الفاظ نہ پڑ جائیں۔

آں حضرت ﷺ اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ میں وہاں تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرا اور میں نے سوچا کہ میں ایک عظیم شاعر ہوں اور سحر وفصاحت میں امتیاز کر سکتا ہوں، مجھے نہیں ڈرنا چاہئے۔ اگر ان کا کلام اچھا ہوا تو اسے قبول کر لوں گا اور خراب ہوا تو اسے ترک کر دوں گا۔ میں نے جب کانوں سے کپڑا نکالا اور ان آیات کو سنا جو آپ ﷺ تلاوت فرما رہے تھے تو مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ فوراً دربار نبوت میں حاضر ہوا اور عرض کی، بہ خدا میں نے اس سے بہتر کلام کبھی نہیں سنا۔ چنانچہ میں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔

(۲) ابونعیم اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ نضر بن حارث نے قریش کی اسلام دشمنی کو دیکھ کر ان سے کہا کہ اے قریش! جب محمد ﷺ کم عمر تھے تو تم سب سے بہتر تھے اور تم سب سے زیادہ راست گو تھے، اب جب ان کے بال سفید ہوگئے ہیں اور وہ تمہیں اپنے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں تو تم ان کو جادوگر کہتے ہو۔ ہم نے ساحروں کا منتر دیکھا ہے۔ تم کہتے ہو کہ وہ شاعر ہے۔ واللہ وہ شاعر نہیں ہے۔ ہم شعراء کا کلام بھی پرکھ سکتے ہیں۔ تم کہتے ہو کہ نعوذ باللہ ان پر شیطان اترتا ہے۔ واللہ ایسی بات بھی نہیں ہے۔ محمد ﷺ پر وسوسہ اور پریشانی بھی نہیں

ہے، بہ خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک بہت بڑے امر کے ساتھ آئے ہیں۔ تمہارا فرض ہے کہ اس میں غور وفکر کرو اور اس کی تہ تک پہنچو۔

(۳) ولید بن مغیرہ ایک بے نظیر محقق اور شاعر تھے اور کسی کو قصائد واشعار میں اپنا ہم عصر نہیں سمجھتا تھا۔ متعصب بھی بلا کا تھا اسے اسلام سے دلی دشمنی تھی۔ ابوجہل کے ساتھ شامل ہوکر اس نے جس طرح مسلمانوں کو تکالیف پہنچائیں، اس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ایک دفعہ قریش نے اسے دولت وثروت کی طمع دلا کر قرآن جیسا کلام پیش کرنے پر مجبور کیا تو اس نے مجبور ہوکر قرآن مجید کی فضیلت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا:

''اے قریش! تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر کہا۔ واللہ وہ ہرگز ساحر نہیں۔ میں نے سحر اور جھاڑ پھونک دیکھا ہے۔ تم نے ان کو شاعر کہا۔ خدا کی قسم، وہ شاعر بھی نہیں۔ میں شعر کی مہر صفت کا ماہر ہوں۔ تم نے ان کو مجنوں کہا۔ وہ مجنوں ہرگز نہیں۔ میں نے مجنوں اور اس کی کیفیات کا مشاہدہ کیا ہے۔ اے قریش! اپنے موقف پر غور کرو۔ یہ کوئی امر عظیم ہے جو تمہارے لئے نازل کیا گیا ہے۔''

(۴) اسی ولید بن مغیرہ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ''ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون'' پڑھتے سنا تو پکار اٹھا: بہ خدا یہ کلام شیریں ہے، اس میں حسن وخوبی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ یہ سرتاپا شاداب درخت کی مانند ہے۔ انسان کی طاقت نہیں کہ اتنا بلیغ کلام کہہ سکے۔

(۵) دورِ جاہلیت کے ایک مشہور شاعر لبید بن ربیعہ نے جس کا شمار اصحاب معلقات میں ہوتا ہے، جب قرآن مجید کی ایک سورت کو کعبہ میں آویزاں دیکھا تو قرآن کی فصاحت وبلاغت اور اس کے موثر اسلوب بیان کی وجہ سے اسے فوراً یقین ہوگیا کہ یہ کلام خدا ہے۔ چنانچہ وہ فوراً دائرہ اسلام میں داخل ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائیوں کی صف میں شامل ہوگیا۔

(۶) ضماد الازدی بن ثعلبہ یمن کے رہنے والے تھے اور جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ یہ سن کر نعوذ باللہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' دیوانے ہوگئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاج کے لئے آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے روبہ رو مختصر الفاظ میں خدا کی حمد بیان کی۔ انہوں نے کلمۂ شہادت آپ سے سنا اور بالآخر پکار اٹھے: خدا کی قسم! میں نے کاہنوں کی بولی، جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے قصائد سنے ہیں لیکن آپ کا کلام کچھ اور ہی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے لئے ہاتھ بڑھایئے کہ میں اسلام کی بیعت کرلوں۔

(۷) نجاشی شاہ حبشہ کے سامنے جب حضرت جعفر طیار نے سورہ مریم تلاوت فرمائی تو بادشاہ اتنا متاثر ہوا کہ رونے لگا اور کہا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وہی رسول ہیں جن کی خبر یسوع مسیح نے دی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے ان کا زمانہ ملا۔

قرآن پاک نے اس واقعے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تو ان کی آنکھوں کو دیکھتا ہے کہ ان سے آنسو رواں ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آتے ہیں۔ گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔'' (المائدہ۔۸۳)

نجاشی نے یہ بھی کہا، ''خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل دونوں ایک چراغ دو چہرہ ہیں۔''

حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ زبان زد خاص وعام ہے۔ وہ قرآن مجید کی چند آیات سن کر اتنے متاثر ہوئے کہ اسلام قبول کرلیا۔

زمانہ جاہلیت کے فضلا پر قرآن مجید کے نادر اسلوب اور عدیم النظیر فصاحت وبلاغت نے جو معجزانہ اثر ڈالا اس کا مختصر تذکرہ کیا جاچکا ہے۔ مختلف ادوار میں قرآنی بلاغت لوگوں کو اس طرح متاثر کرتی رہی کہ اکابر صوفیا اور ائمہ دین کے قرآن کے ساتھ شغف وعشق اور قرآنی آیات سے متاثر ہونے کی نادر حکایات تذکرے کی کتابوں میں موجود ہیں۔ بعض بزرگوں پر تو قرآنی



بلاغت نے اتنا اثر ڈالا کہ قرآن پڑھتے پڑھتے بے خود ہوکر دنیا سے کوچ کر گئے۔

دور حاضر کے غیر مسلم دانش وروں پر بھی قرآن مجید نے گہرا اثر ڈالا۔ اگرچہ انہوں نے اسلام تو قبول نہیں کیا تاہم قرآن مجید کی تاثیر کے بارے میں انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار اپنی تالیفات میں کیا ہے۔ اس مختصر سے مضمون میں فضلا ومحققین یورپ کی قرآن کی صداقت اور آنحضرت کی فضیلت پر شہادتوں کا تذکرہ ممکن نہیں۔ روس کے نامور محقق کونٹ ٹالسٹائی، فرانس کے متجر عالم ڈاکٹر لیبان، ہیروزا اینڈ وزشپ کے مولف ٹامسن کارلائل، Down Fall of the Roman Empire کے مئولف سرایڈورڈ گبن Apology For Mohammad کے مصنف جن ڈیون پورٹ، قرآن مجید کے انگریزی مترجم جارج سیل، ڈاکٹر لائز اور دیگر مستشرقین قرآن مجید کی فصاحت اور اس کی سحر آفرینی کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ درر حاضر کے مشہور برطانوی مستشرق پروفیسر اے جی آربری نے قرآن مجید کا انگریزی میں ترجمہ The Quran Interpreted کے نام سے کیا ہے۔ اسی ترجمے کے مقدمے میں پروفیسر موصوف لکھتے ہیں کہ یہ کام میں نے شدید ذہنی پریشانی کے عالم میں شروع کیا تھا لیکن اس عظیم کتاب کی برکت سے میری ساری پرشانیاں دور ہوگئیں۔ فصاحت و بلاغت کے علاوہ قرآن مجید کی معجزانہ تاثیر کا ایک اور سبب اس کی جامعیت ہے۔ دنیا کے جتنے آسمانی صحیفے اس وقت کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں ان میں سے قرآن کے سوا دیگر سب جامعیت کے وصف سے محروم ہیں۔ توریت اقوام عالم کی تاریخ اور احکام وقوانین کا مجموعہ ہے۔ زبور دعاؤں اور مناجاتوں کا ذخیرہ ہے۔ سفر ایوب میں صرف مواعظ وحکم پر مشتمل ہیں۔ انجیل صرف حضرت مسیح کی سرگزشت اور اخلاقی تعلیمات کا مجموعہ ہے۔ لیکن قرآن مجید ان سب کا جامع ہے وہ تاریخ اقوام بھی ہے اور اخلاق ومواعظ بھی، اس میں دعائیں بھی ہیں اور مناجاتیں بھی اور دین کامل کے تمام عقائد بھی اس میں عبادات کے مراسم بھی ہیں اور معاملات کے لیے احکام وفرامین بھی۔ غرض یہ کہ ایک مسلمان کی زندگی کے ہر دور اور ہر شعبے کے لیے اس میں کامل ہدایات اور واضح تعلیمات موجود ہیں۔ وہ مسلمانوں کی ہر ضرورت کی کفیل اور ہر سوال کا جواب ہے۔ ••

## آسان علاج

اگر پاؤں کی ایڑیاں پھٹ جائیں تو شلجم کو پانی میں ابال لیں کہ وہ نرم ہوجائیں پھر ہاتھ سے مل لیں کہ کریم جیسا ہوجائے پھر اس میں پٹرولیم جیلی شامل کرکے کریم بنالیں روزانہ لگائیں پیر بالکل صاف شفاف ہوجائیں گے۔

## بقیہ.....سیرت کا پیغام

طرح کی ہے:

وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین ط (اللہ کے راستہ پر خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور اچھی طرح کام کرو بیشک اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

مسلمانوں کی زندگی کی اصل ساخت یہی ہے کہ یا تو اسلام کی دعوت اور عملی جد وجہد میں مشغول ہوں یا اس دعوت وعملی جدوجہد میں حصہ لینے کا عزم اور شوق رکھتا ہو، مطمئن شہری اور محض کاروباری زندگی اسلامی زندگی نہیں، اور کسی طرح بھی یہ ایک مسلمان کا مقصد حیات نہیں ہوسکتا، جائز مشاغل زندگی، جائز وسائل معیشت ہرگز ممنوع نہیں بلکہ نیت واجر طلبی کے ساتھ عبادت وقرب الٰہی کا ذریعہ ہے مگر جب یہ سب دین کے سائے میں ہوں اور صحیح مقاصد کا وسیلہ ہوں نہ کہ خود مقصود بالذات۔

سیرت محمدی کا یہ سب سے بڑا پیغام ہے جو خالص مسلمانوں کے نام ہے اس کی طرف توجہ نہ کرنا اس ک مقصد کو ضائع کرنا اور سب سے بڑی حقیقت کی طرف سے چشم پوشی ہے، جو سیرت محمدی مسلمانوں کے سامنے پیش کرتی ہے۔ ❖❖

# ہم دوست تمہارے ہیں، نمک خوار نہیں

کلیم احمد عاجز

یہ نہیں ہے کہ بغاوت مجھے اکساتی نہیں
بات یہ ہے کہ میری خوئے وفا جاتی نہیں
کب سے آئینہ دکھاتی ہے تجھے میری غزل
دیکھنا یہ ہے کہ کب تک تجھے شرم آتی نہیں

تم عمل پر نظر ثانی اگر کر لو گے — ہم بھی کوتاہیوں سے صرف نظر کرلیں گے
پیارے ہم دوست تمہارے ہیں نمک خوار نہیں — تم جو رخ پھیرو گے منہ ہم بھی ادھر کرلیں گے

دردمندانِ محبت کا یہی گہنا ہے
ہم نے زخموں کو بھی زیور کی طرح پہنا ہے
اپنے کرتوت کی گٹھری لئے اٹھ جائیں گے
نہ ہمیں رہنا ہے پیارے نہ تمہیں رہنا ہے
نقش ہے ہر در ودیوار پہ انجام غرور
تم بھی مغرور نہ ہو ہم کو یہی کہنا ہے

تم سنو یا نہ سنو فکر کرو یا نہ کرو — درد ہم کو یہی کہتا ہے پکارے جاؤ
خود نمائی کی ہوس میں تمہیں احساس نہیں — خواہ رسوا کئے جاؤ کہ سنوارے جاؤ

تم ہی کہہ دو بھلا یہ شوق کوئی شوق ہوا؟
آج اونچائی پہ بیٹھو کل اتارے جاؤ؟
دوست بن، دوست نہ بننے میں بہت گھاٹا ہے
آ! کہ پھر دوستی کی آب وہوا تازہ کریں
آ! کہ پھر پھیل چلے رنگِ چمن بوئے چمن
آ! کہ پھر رسم گل و بادِ صبا تازہ کریں

آ! کہ پھر درد کا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑیں — آ! کہ پھر وعدہ وپیمانِ وفا تازہ کریں
دردمندی سے بڑھائے ہوئے پھر ہاتھ میں ہم — تو بھی گر ہاتھ بڑھادے تو ترے ساتھ ہیں ہم



حضرت مولانا محمد تقی عثمانی

# لباس کے متعلق اسلامی اصول

لباس کے معاملے میں شریعت نے بڑی لچک رکھی ہے اور امت کے لیے کوئی ایسا لباس لازم نہیں کیا کہ جس کی خلاف ورزی ناجائز اور حرام ہو۔ اس کے بجائے اسلام نے لباس کے بارے میں کچھ اصول بتادیے ہیں اور یہ بتادیا ہے کہ ان اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے انسان جس قسم کا بھی لباس پہنے وہ شرعاً جائز اور مباح ہے۔ وہ اصول ی ہیں کہ مردوں کے لباس ریشم کے نہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ وہ لباس ساتر ہو یعنی جسم کا جتنا حصہ چھپانا فرض ہے اس لباس کے ذریعے وہ حصہ صحیح طریقے پر چھپ جائے۔

قرآن کریم میں فرمایا:

انزلنا علیکم لباسا یواری سواتکم وریشا (سورۃ الاعراف ۲۶)

اس آیت میں لباس کا اصل مقصد بتادیا کہ وہ ساتر ہو۔ لباس کا دوسرا مقصد یہ بتایا کہ وہ لباس انسان کیلئے زینت کا باعث ہو۔ لہٰذا لباس کے ذریعے زینت حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ ان اصولوں کے تحت ہو جو شریعت نے لباس کے بارے میں بتائے ہیں۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ مرد کا لباس عورتیں نہ پہنیں اور عورتوں کا لباس مرد نہ پہنیں۔ یعنی لباس کے ذریعے مرد، عورت کی مشابہت اختیار نہ کریں اور عورتیں، مردوں کی مشابہت اختیار نہ کریں۔

چوتھا اصول یہ ہے کہ اس کے ذریعے تکبر کا اظہار کرنا مقصود نہ ہو۔

اس کے اندر اسراف نہ ہو۔ زیادہ قیمتی لباس اس لیے پہننا کہ اس کے ذریعے لوگوں کو نظروں میں بڑا بن جائے یہ بھی ناجائز ہے۔

چھٹا اصول یہ ہے کہ اس کے ذریعے تشبہ بالکفار نہ ہو اور تشبہ بالکفار کا مطلب یہ ہے کہ قصد اور ارادہ کرکے ایسا لباس پہننا تاکہ میں ان جیسا نظر آؤں یہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔

تشبہ اور مشابہت میں فرق

تشبہ اور مشابہت میں فرق یہ ہے کہ تشبہ کہتے ہیں کہ باقاعدہ قصد اور اختیار سے آدمی دوسری ملت والے کے مشابہ بننے کی کوشش کرے تاکہ میں ان جیسا نظر آؤں یہ تو ناجائز اور حرام ہے۔

اور مشابہت یہ ہے کہ ان جیسا بننے کا قصد اور ارادہ تو نہیں تھا لیکن اس لباس کے ذریعے بلاقصد ان کے ساتھ مشابہت ہوگئی تو یہ مشابہت حرام تو نہیں ہے البتہ مکروہ تنزیہی ہے اس لیے حتی الامکان مشابہت سے بھی بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

قیمتی کپڑے پہننا جائز ہے

حضور سرور دو عالم ﷺ نے بہت قیمتی لباس بھی زیب تن فرمایا ہے اور پیوند لگے ہوئے کپڑے بھی زیب تن کئے ہیں۔ آپ ﷺ کی عام عادت تو سادے اور معمولی کپڑے پہننے کی تھی لیکن کبھی کبھار قیمتی لباس زیب تن فرما کر اس بات کا اظہار فرمادیا کہ ایسے کپڑے پہننا بھی جائز ہے اور جواز کا راستہ پیدا کرکے حضور اقدس ﷺ نے ہمارے اور آپ کیلئے سہولت پیدا فرمادی۔

## زندگی گزارنے کا معیار کیا ہونا چاہئے؟

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے اور اس سے ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں خلجان پیدا ہوتا ہے کہ کس معیار کا کپڑا پہننا چاہئے؟ اور کس معیار کی زندگی اختیار کرنی چاہئے کہ وہ اسراف میں داخل نہ ہو؟

اس بارے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس کی حدود بیان فرمادیں۔ وہ حدود اگرچہ مکان کے بارے میں ارشاد فرمائی تھیں لیکن وہی حدود کپڑے اور دنیا کی دوسری چیزوں پر بھی صادق آتی ہیں۔

فرمایا کہ ایک درجہ ضرورت کا ہوتا ہے کہ آدمی ضرورت پوری ہوجائے جیسے اگر مکان کچا ہو جس میں آدمی اپنا سر چھپا سکے۔

حضرت والا اس کو فرماتے ہیں کہ یہ درجہ رہائش کا ہے۔ یعنی یہ مکان قابل رہائش ہے اور ظاہر ہے کہ یہ جائز ہے۔

دوسرا درجہ آسائش کا ہے یعنی آدمی ایسا مکان بنائے کہ وہ مکان صرف سر چھپانے کا ذریعہ نہ ہو بلکہ اس مکان کے اندر اپنے لیے راحت اور آرام کا بھی خیال رکھا گیا ہو۔ مثلاً وہ مکان پختہ بنالیا تاکہ اس میں بارش کا پانی نہ آئے یہ صورت بھی جائز ہے۔

تیسرا درجہ آرائش کا ہے یعنی ایک مکان میں آسائش تو حاصل تھی لیکن کوئی خاص زینت نہیں تھی۔ اب کسی نے اپنے دل کو خوش کرنے کیلئے اس مکان میں زینت کے اسباب کا انتظام کرلیا مثلاً رنگ وروغن کرالیا وغیرہ یہ آرائش ہے اور جائز بھی ہے۔

چوتھا درجہ نمائش کا ہے یعنی مکان کے اندر ایسے اسباب جمع کرنا کہ اس کے ذریعے لوگوں کے سامنے نمائش اور دکھاوا مقصود ہے تاکہ لوگ مجھے بڑا آدمی اور دولت مند سمجھیں، اس لیے کہ میں ایسے شان اور مکان میں رہتا ہوں۔ ایسے شان دار کپڑے پہنتا ہوں ایسی شان دار سواری استعمال کرتا ہوں۔ یہ نمائش ہے اور حرام ہے گویا کہ تین درجے جائز ہیں اور چوتھا درجہ حرام ہے۔

اب لباس کے اندر بھی یہی تفصیل ہے۔ اگر کوئی شخص قیمتی لباس اس لیے پہنتا ہے کہ مجھے اچھا لگتا ہے یا مجھے اس کے پہننے سے راحت ملتی ہے یا میں اپنا دل خوش کرنے کے لیے اس کو پہنتا ہوں یا اپنے گھر والوں کے دل کو خوش کرنے کے لئے اس کو پہنتا ہوں تو یہ صورت جائز ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص قیمتی لباس اس لیے پہنتا ہے تاکہ میں فیشن ایبل کہلاؤں اور میں دولت مند اور بڑا آدمی کہلاؤں تو یہ صورت حرام ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا ہر لباس پہننا تمہارے لیے جائز ہے سوائے اس لباس کے جس میں اسراف ہو اور عجب وتکبر ہو۔ لہذا ان دونوں چیزوں سے بچتے ہوئے انسان قیمتی لباس بھی پہن سکتا ہے۔

تنگ اور کف والی آستین کا حکم

میں (حضرت شیخ الحدیث جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ) عام طور پر بغیر کف کے کرتا پہنتا ہوں۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے ایک جوڑا ہدیہ میں دیا۔ اس کی آستین کف والی تھیں۔ وہ کرتا پہن کر میں ایک دینی جلسے میں چلا گیا۔ وہاں بیان ہوا۔ جب میں گھر واپس آیا تو ... روز کے بعد ایک لمبا چوڑا خط ایک صاحب نے لکھ کر بھیج دیا۔ اس خط میں انہوں نے یہ لکھا کہ ہمیں یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ آپ نے کف والا کرتا پہن رکھا تھا، حالانکہ یہ خلاف سنت ہے۔

مجھے اس بات سے تو بہت خوشی ہوئی کہ لوگ اتنی باریک بینی سے دیکھتے ہیں اور یہ بھی بڑی نعمت ہے اور اس کو غنیمت سمجھنا چاہئے کہ لوگ باریک بینی سے انسان کو دیکھتے رہیں۔ جب یہ نگرانی ختم ہوجاتی ہے تو پھر انسان نفس وشیطان کے ہاتھوں گمراہ ہوجاتا ہے اس لیے میں نے اللہ تعالی کا شکریہ ادا کیا کہ لوگ اتنی باریک بینی سے دیکھتے ہیں چنانچہ میں نے پھر ان کو شکریہ کا خط لکھا کہ اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آپ نے صحیح تنبیہ فرمائی۔ میں نے انہیں لکھا، بات یہ ہے کہ ہمارے تمام بزرگ بھی بغیر کف کے کرتے پہنتے رہے ہیں، اس لیے مناسب یہ ہے کہ آدمی اپنے بزرگوں کے طریقے کا لباس پہنے اور الحمدللہ میرا عام معمول یہی ہے کہ میں بغیر کف کے ہی کرتا پہنتا ہوں۔ لیکن جہاں تک آپ نے یہ بات لکھی ہے کہ یہ عمل خلاف سنت ہے یہ بات درست نہیں۔ اس لئے کہ ایک طرف تو خود حضور اقدس ﷺ سے تنگ آستین کا لباس پہننا ثابت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس کو بہت سے حضرات نہیں سمجھتے وہ یہ کہ ایک ہوتا ہے کسی عمل کا سنت نہ ہونا اور ایک ہوتا ہے کسی عمل کا سنت کے خلاف ہونا ان دونوں میں فرق ہے۔ مثلاً یہ بجلی کا اشیا کا استعمال سنت نہیں ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ بجلی جلانا یا بجلی کا پنکھا استعمال کرنا خلاف سنت ہے تو یہ بات درست نہیں۔ اس لیے کہ خلاف سنت اس وقت کہا جائے گا جب حضور اقدس ﷺ نے کسی خاص عمل کی ترغیب دی ہو چاہے وہ ترغیب استحبابی ہو۔ پھر کوئی شخص اس عمل کو اختیار نہ کرے بلکہ اس

(بقیہ صفحہ...۱۱.....پر)



مفتی عمر فاروق لوہاروی، لندن

# کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھیے

کھانا کھانے سے پہلے تسمیہ یعنی بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔ علماء کی ایک جماعت اس کے وجوب کی قائل ہے، اس حیثیت سے تسمیہ پڑھنا چاہئے۔ اس امر پر علماء کا اتفاق ہے جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ ''الاذکار'' (ص ۲۰۷) میں ذکر کیا ہے۔

بقول حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کھانا کھانے سے قبل تسمیہ بندے کی جانب سے اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ کھانا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کے عطا کئے بغیر اس کو حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ بندہ جب اللہ کا نام لے کر کھانا کھائے گا، تو کھانے کا پورا عمل طاعت اور عبادت بن جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے قوی اور مستحکم ہونے کا سبب ہوگا۔

(تکملہ فتح الملہم ص ۳، ج ۴)

حضرت موصوف مدظلہم فرماتے ہیں:

''کہنے کو تو یہ معمولی بات ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کھانا شروع کردیا، لیکن اگر غور کروگے تو معلوم ہوگا کہ یہ اتنی عظیم الشان عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے ایک طرف تو یہ کھانا کھانا عبادت اور باعث ثواب بن جاتا ہے اور دوسری طرف اگر آدمی ذرا دھیان سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ لے تو اس کی وجہ سے اللہ جل جلالہ کی معرفت کا بہت بڑا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا حقیقت میں انسان کو اس طرف متوجہ کررہا ہے کہ جو کھانا میرے سامنے اس وقت موجود ہے، یہ میری قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے، بلکہ کسی دینے والے کی عطا ہے۔ میرے بس میں یہ بات نہیں تھی کہ میں یہ کھانا مہیا کرلیتا اور اس کے ذریعے اپنی ضرورت پوری کرلیتا، اپنی بھوک مٹادیتا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور اس کا کرم ہے کہ اس نے مجھے یہ کھانا عطا فرمادیا... جب اس دھیان پر استحضار کے ساتھ کھاؤ گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور ان کا کرم ہے کہ انہوں نے مجھے عطا فرمایا تو وہ سارا کھانا تمہارے لئے عبادت بن جائے گا۔''

(اصلاحی خطبات ص ۱۴۴ تا ۱۴۶، ج ۵)

کھانا شروع کرنے سے پہلے تسمیہ پڑھنے سے شیطان کھانے میں شریک نہیں ہوتا۔ تسمیہ پڑھے بغیر اگر کھانا شروع کیا جائے تو اس میں شیطان شرکت کرنے لگتا ہے اور اس کا عمل داخل ہوجاتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانے کے وقت اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے کارندوں سے کہتا ہے کہ اس گھر میں نہ تو تمہارے لئے رات گزارنے کی کوئی گنجائش ہے اور نہ کھانے کے لئے کوئی گنجائش ہے۔ اور جب داخل ہوتے وقت اللہ کا نام نہیں لیتا تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ تمہارے رات گزارنے کا انتظام ہوگیا اور جب کھاتے وقت بھی اللہ کا نام نہیں لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ تمہارے رات گزارنے کا انتظام بھی ہوگیا اور کھانے کا بھی۔

(صحیح مسلم، ص ۱۷۲، ج ۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شیطان کھانے کو حلال کرلیتا ہے جب اس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ (سنن ابی داؤد، ص ۱۷۲، ۱۷۳، ج ۲)

حلال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کھانے پر شیطان کو قدرت حاصل ہوتی ہے۔ اب یا تو وہ حقیقتاً اس کھانے میں شریک ہوجاتا ہے یا اس کی برکت کو ختم

کردیتا ہے۔ اس حیثیت سے کھانا شروع کرنے سے پہلے تسمیہ کا پڑھنا جس طرح شیطان کو کھانے سے روکتا ہے، اسی طرح کھانے میں برکت کا ذریعہ بھی ہے۔

جامع ترمذی میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چھ اصحاب کے ساتھ کھانا تناول فرمارہے تھے۔ ایک اعرابی آئے۔ انہوں نے اس کھانے کو دولقموں میں کھالیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، سنو! اگر یہ صاحب تسمیہ پڑھتے، تو یہ کھانا تم سب کو کافی ہوتا۔"

(جامع ترمذی ص ۸، ج ۲)

اب سوال یہ ہے کہ کھانے سے پہلے جو تسمیہ مطلوب ہے، اس تسمیہ سے کیا مراد ہے؟ تو علماء کی ایک جماعت کے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد "بسم اللہ" کے الفاظ ہیں، جیسا کہ ذیل کی روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو "بسم اللہ" کہے۔ (المستدرک للحاکم، ص ۱۰۸، ج ۴، جامع ترمذی، ص ۸، ج ۲)

سند صحیح کے ساتھ مروی ہے، عبدالرحمٰن بن جبیر مصری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ان کو اس صحابی نے بیان کیا، جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھ سال تک خدمت کی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو "بسم اللہ" فرماتے ہوئے سنتے تھے، جب کھانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کیا جاتا۔

(فتح الباری، ص ۴۹۴، ج ۹)

علماء کی دوسری جماعت کا خیال یہ ہے کہ "بسم اللہ" یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا عنوان ہے لہٰذا تسمیہ سے مراد پوری بسم اللہ الرحیم الرحیم ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ "الاذکار" ص، ۲۰۷ میں فرماتے ہیں کہ ویسے تو صرف لفظ "بسم اللہ" کہنے سے سنت ادا ہوجائے گی لیکن اگر پوری بسم اللہ پڑھ لے یعنی بسم اللہ الرحیم الرحیم کہہ لے تو افضل ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام نووی رحمۃ اللہ نے پوری بسم اللہ پڑھنے کے افاضل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ میں نے اس کے لئے کوئی مخصوص دلیل نہیں پائی ہے۔

(فتح الباری، ص ۴۳۱، ج ۹)

شیخ ابوطالب مکی اور امام غزالی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے لقمے پر "بسم اللہ" اور دوسرے پر "بسم اللہ الرحمٰن" اور تیسرے پر "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پوری پڑھے۔

(قوت القلوب ص ۳۰۵، ج ۲، احیاء العلوم، ص ۴، ج ۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری (ص ۴۳۱، ج ۹) میں فرماتے ہیں کہ اس کے مستحب ہونے پر میں نے کوئی دلیل نہیں پائی ہے۔

علامہ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر پہلے لقمے کے ساتھ پوری بسم اللہ پڑھ لے تو یہ بہتر ہے۔ (الاتحاف، ص ۱۲۷، ج ۵)

کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ وعلیٰ برکۃ اللہ کے جو الفاظ مشہور ہیں، وہ مشہور کتب حدیث میں نہیں ملتے، البتہ مستدرک حاکم (ص، ۱۰۷، ج ۴) کی ایک روایت میں لفظ "علی" کے بغیر بسم اللہ وبرکۃ اللہ کے الفاظ منقول ہیں۔

شیخ ابوطالب مکی "قوت القلوب" (ص ۳۰۵، ج ۲) میں اور امام غزالیؒ "احیاء العلوم" (ص ۴، ج ۲) میں کھانا کھاتے ہوئے (شروع میں تسمیہ کے بعد) ہر لقمے پر "بسم اللہ" کہنے کو احسن اور اچھا قرار دیتے ہیں، تاکہ کھانے کی بے حد خواہش ذکر اللہ سے غفلت کا ذریعہ نہ بنے۔ ہمارے اکابر میں فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ زیادہ پسند تھا کہ ہمیں طریقہ سنت زیادہ پسند ہے کہ شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمدللہ۔ ہر لقمے پر نہیں۔

اگر کئی آدمی اجتماعی دستر خوان پر بیٹھیں، تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بعض علماء کے نزدیک بسم اللہ پڑھنا سنت علی الکفایہ ہے، اس اعتبار سے پوری جماعت میں سے محض ایک آدمی کا بسم اللہ کہہ لینا سب کے لئے کافی ہوجائے گا۔

(الاذکار للنووی، ص ۲۰۷)



ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قول جمہور کے مسلک کے خلاف ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک ہر شخص کے حق میں بسم اللہ کہنا سنت ہے۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے، جس کو امام مسلم وغیرہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ "ہم جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتے تو ہم اپنے ہاتھ کھانے میں نہیں رکھتے تھے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع نہ فرماتے اور اپنا دست مبارک کھانے میں نہ رکھتے۔ ہم ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے میں شریک تھے کہ ایک نوعمر بچی آئی۔ گویا اس کو زبردستی بھیجا گیا۔ وہ اپنا ہاتھ کھانے میں رکھنے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑلیا۔ پھر ایک اعرابی آیا۔ گویا اس کو بھی زبردستی دھکیلا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بھی ہاتھ پکڑلیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان اس کھانے کو اس طرح اپنے لئے حلال کرنا چاہتا تھا کہ کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔ وہ اس نوعمر بچی کو لے کر آیا تاکہ اس کے ذریعہ کھانا حلال کرے، تو میں نے اس بچی کا ہاتھ پکڑلیا۔ پھر اس بدو کو لے کر آیا تاکہ اس کے ذریعے کھانا حلال کرلے تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑلیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! بے شک شیطان کا ہاتھ اس بچی کے (یا بچی اور بدو دونوں کے) ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔ (صحیح مسلم ص ۱۷۱، ۱۷۲، ج ۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حاضرین میں سے کسی ایک کا بسم اللہ پڑھ لینا کافی نہیں ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے بسم اللہ پڑھی ہی ہوگی۔ علامہ قسطلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور کے مسلک پر بنا کرتے ہوئے ہر ایک کے لئے بسم اللہ پڑھنا مستحب (بمعنی سنت) ہے۔ (ارشاد الساری ص ۱۴۸، ج ۱۲)

کئی آدمی ایک دستر خوان پر بیٹھیں تو ان میں سے کسی ایک کو بہ آواز بلند بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے تاکہ دوسروں کو یاد دہانی ہوجائے۔ (عمدۃ القاری، ص ۲۸، ج ۲۱)

اگر کسی وجہ سے کھانے کے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھی ہو، چاہے قصداً نہیں پڑھی تھی یا بھول گیا تھا، یا معلوم نہیں تھا کہ کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا چاہئے یا کسی اور عذر کی وجہ سے بسم اللہ نہ پڑھ سکا ہو تو یاد آنے پر یا علم ہونے پر یا عذر زائل ہونے پر بسم اللہ اولہ وآخرہ یا بسم اللہ فی اولہ وآخرہ کے الفاظ کہنے چاہئیں، جیسا کہ سنن ابی داؤد (ص ۱۷۳، ج ۲) اور جامع ترمذی (ص ۸، ج ۲) کی روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ تسمیہ چھوڑنے کی وجہ سے کھانے کی جو برکت شیطان لے لیتا ہے، وہ ان کلمات کے کہنے کی وجہ سے لوٹ آتی ہے اور پورا کھانا بابرکت ہوجاتا ہے۔

سنن ابی داؤد میں ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت امیہ بن مخشی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ ایک آدمی بسم اللہ کہے بغیر کھانا کھانے لگا، یہاں تک کہ سارا کھانا کھالیا، صرف ایک لقمہ باقی رہ گیا۔ جب اس لقمے کو منہ کی طرف لے جانے لگا تو اس نے "بسم اللہ اولہ وآخرہ" کہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنسنے لگے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان مسلسل اس کے ساتھ کھا رہا تھا۔ جب اس نے اللہ کا نام لیا تو جو کچھ پیٹ میں تھا اس کی قے کردی۔" (سنن ابی داؤد، ص ۱۷۳، ج ۲)

"التعلیق المحمود" میں ہے کہ شیطان کے قے کرنے کا مطلب برکت کی قے کرنا ہے نہ کہ کھانے کی۔ اس لئے کہ شیطان برکت کو سلب کرتا ہے، کھانے کو سلب نہیں کرتا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قے کرنے سے مراد اس برکت کی قے ہے، جو تسمیہ چھوڑنے کی وجہ سے چلی گئی تھی، گویا وہ شیطان کے پیٹ میں بہ طور امانت کے تھی، جب اس آدمی نے اللہ کا نام لیا تو وہ برکت کھانے کی طرف لوٹ آئی۔

(التعلیق المحمود علی سنن ابی داؤد، ص ۱۷۳، ج ۲)

کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کی مذکورہ سنت پر اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

❖ ❖

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ

# موت کس کو کیسے آتی ہے

جان لینا چاہئے کہ موت کی اضافت کبھی ملک الموت کی طرف ہوتی ہے اس لیے کہ وہ روح قبض کرتا ہے اور کبھی ملک الموت کے اعوان وانصار فرشتوں کی طرف اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف جیسے ارشاد ہے :اللہ یتوفی الانفس حینموتھا۔

اللہ تعالیٰ موت کے وقت نفوس کی روح قبض فرماتے ہیں اور حقیقی روح قبض کرنے والے اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ حضرت کلبی فرمایا کرتے تھے ملک الموت روح کو جسم سے نکالتے ہیں پھر اگر وہ مومن ہو تو اس کی روح کو رحمت کے فرشتوں کے حوالے کر دیتے ہیں اور اگر کافر ہو تو عذاب کے فرشتوں کے حوالے۔ جیسا عن قریب انشاء اللہ احادیث میں تفصیل سے آجائے گا۔

حدیث میں آتا ہے کہ ملک الموت روحوں کو اسی طرح آواز دیں گے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے یا اونٹ یا گائے کے بچے کو آواز لگاتا ہے تاکہ وہ کھڑا ہو جائے اور انہیں اپنی طرف بلاتے ہیں تاکہ ان کی روحوں کو قبض کر کے انہیں دنیا سے اٹھالیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ملک الموت بیٹھے ہوتے ہیں ان کے سامنے صحیفہ ہوتا ہے جسے پندرھویں شعبان کی رات کو لکھا جاتا ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے اللہ جل شانہ پندرھویں شعبان کو بہت سے فیصلے فرماتے ہیں اور لیلۃ القدر میں انہیں ان کے ذمے داروں کے حوالے فرما دیتے ہیں اس طرح ان دونوں قولوں میں تطبیق ہو جاتی ہے اس لیے کہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ رات جس کے بارے میں آتا ہے کہ اس میں ہر حکمت والے معاملے کا فیصلہ کیا جاتا ہے اس سے شعبان کی پندرھویں رات مراد ہے اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس سے لیلۃ القدر مراد ہے، پھر جب اس شخص کی عمر پوری ہو جاتی ہے جس کی روح قبض کرنے کا وقت قریب آتا ہے تو اس کا ورق جس میں اس کا نام لکھا ہوتا ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ سے صحیفے میں گر جاتا ہے اور پتا چل جاتا ہے کہ اس کی مدت ختم ہو گئی اور اس کا رزق بند ہو چکا ہے۔

حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ ملک الموت عرش تلے ہوتے ہیں ان پر ان لوگوں کے صحیفے گرتے ہیں جو مرنے والے ہیں اور یہ پرچے سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں کے نیچے ہیں پھر جب ملک الموت کسی شخص کے بارے میں یہ دیکھتے ہیں کہ اس کی مدت پوری اور رزق ختم ہو گیا ہے تو وہ اس شخص پر موت کے سکرات (سختیاں) ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ اس پر موت کی سختی شروع ہو جاتی ہے اور موت کی تکلیف اسے پکڑ لیتی ہے۔

اسراء ومعراج کی حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں ایک فرشتے کے پاس سے گزرا جو کرسی پر بیٹھا تھا اور تمام دنیا اور جو اس میں ہے اس کے گھٹنے کے درمیان تھا اور اس کے ہاتھ میں لکھی ہوئی ایک تختی تھی جس میں وہ دیکھ رہا تھا نہ دائیں دیکھتا تھا۔ نہ بائیں، میں نے اس سے کہا میرے بھائی جبرائیل! یہ کون صاحب ہیں؟ فرمایا یہ ملک الموت ہیں، میں نے کہا اے ملک الموت! آپ تمام روئے زمین خشکی اور سمندر والوں سب کی روحوں کو کیسے قبض کر سکیں گے؟ انہوں نے فرمایا کیا آپ دیکھتے ہیں کہ تمام دنیا میرے دونوں گھٹنوں کے درمیان اور تمام مخلوق میری آنکھوں کے سامنے ہے اور میرے ہاتھ مشرق ومغرب کے درمیان پہنچ جاتے ہیں جب کسی بندے کی عمر ختم ہو جاتی ہے تو میں اس کی طرف دیکھتا ہوں اور جب اس کی طرف دیکھوں تو میرے معاون فرشتے یہ جان لیتے ہیں کہ اس کے انتقال کا وقت قریب آگیا ہے اور وہ اس کی روح نکالنا شروع کرتے ہیں۔ جب روح گلے تک پہنچتی ہے تو مجھے یہ معلوم ہو جاتا ہے اور مجھ پر اس کی کوئی حالت مخفی نہیں ہوتی میں اپنا



ہاتھ دراز کر کے اس کے جسم سے اس کی روح نکال لیتا ہوں۔

حدیث میں آتا ہے کہ مرنے والے کے پاس چار فرشتے آتے ہیں ایک فرشتہ میت کے دائیں پاؤں کی جانب سے روح کھینچتا ہے، ایک بائیں پاؤں سے، ایک بائیں جانب سے اور ایک دائیں جانب سے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ فرشتے جب پوروں اور انگلیوں کے کنارے سے روح نکال رہے ہوتے ہیں تو اس وقت مردے کی زبان بھاری ہو جاتی ہے لیکن اس کے باوجود بھی اگر وہ شخص نیک بخت ہے تو اس کی جان اس طرح نکالی جاتی ہے جس طرح مشکیزے سے کوئی تنکا وغیرہ، لیکن اگر فاسق، فاجر یا کافر کی روح ہو تو اس کی روح اس طرح نکالی جاتی ہے جس طرح گرم آنکڑے (مڑے ہوئے لوہے) کو گیلے اون سے نکالا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے اور پہلے گزر چکا ہے میت یہ سمجھتی ہے کہ اس کے پیٹ میں کانٹے بھرے ہیں اور اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کی جان سوئی کے ناکے میں سے نکل رہی ہے اور گویا آسمان زمین پر گر پڑا ہے اور وہ ان دونوں کے درمیان دبا پڑا ہے پھر جب روح دل تک پہنچتی ہے تو زبان بولنے سے رک جاتی ہے اور جان سینے میں جمع ہو جاتی ہے اس کے بعد مرنے والوں کے مختلف حالات ہوتے ہیں بعض ایسے ہوتے ہیں جنہیں فرشتہ ایسے زہریلے نیزے سے مارتا ہے جسے آگ کے زہر سے تاپا گیا ہوتا ہے، پھر وہ انسانی شکل میں بن جاتی ہے پھر اسے وہ زبانیہ کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی روح آہستہ آہستہ نکلتی ہے اور گلے میں آجاتی ہے اور گلے میں دل سے ملنے والا ایک حصہ باقی رہ جاتا ہے پھر فرشتہ اسے اس نیزے سے مار دیتا ہے۔

حافظ ابونعیم حضرت خالد بن معدان سے روایت کرتے ہیں کہ ملک الموت کے پاس ایک نیزہ ہوتا ہے جو مشرق ومغرب تک پہنچ جاتا ہے پھر جب کسی شخص کا دنیا کا وقت مقررہ پورا ہو جاتا ہے تو وہ اس نیزے کو اس کے سر پر دے مارتے اور فرماتے ہیں ابھی تم مردوں کا لشکر دیکھ لو گے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ملک الموت مچھروں کی روح بھی قبض کرتے ہیں؟ امام مالک کافی دیر تک سر جھکائے رہے، پھر سر اٹھا کر فرمایا کیا اس میں جان ہوتی ہے؟ کہا گیا جی ہاں، فرمایا پھر تو ملک الموت اس کی روح بھی قبض کرتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مرنے والوں کی روح موت کے وقت قبض فرماتے ہیں۔

### ملک الموت مومن اور کافر کی روح قبض کرتے وقت کس شکل میں آتے ہیں؟

برادران کرام! آپ حضرات یہ سمجھ لیں کہ ملک الموت کا دیکھنا اور مومن کے دل پر اس سے جو خوف وڈر طاری ہوتا ہے وہ اتنا شدید اور دہشت ناک ہے کہ اسے الفاظ سے بیان نہیں کیا جا سکتا اور اس کی حقیقت صرف وہی جان سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ بصیرت کی آنکھیں دیں ہم جیسے لوگوں کی جہاں تک پہنچ ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ صرف واقعات وحکایات ہی ہیں۔

حضرت عکرمہؓ فرمایا کرتے تھے میں نے حضرت شیثؑ کے بعض صحیفوں میں دیکھا ہے کہ ان کے والد حضرت آدمؑ نے فرمایا پروردگار! مجھے ملک الموت دکھا دیں تاکہ میں انہیں دیکھ لوں، اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ ملک الموت ایسے ہیں کہ جنہیں دیکھا نہیں جا سکتا اور آپ کے پاس وہ اس شکل میں آئیں گے جس میں انبیاء صالحین کے پاس آتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر حضرت جبرائیل ومیکائیل کو نازل فرمایا اور فرمایا کہ ملک الموت ان کے پاس سفید وسیاہ رنگ والے مینڈھے کی شکل میں آئیں گے اپنے پروں میں چار ہزار بازو پھیلائے ہوں گے، ان میں سے ایک بازو ایسا ہوگا جو آسمانوں سے متجاوز ہوگا ایک زمینوں سے ایک مشرق اقصیٰ سے ایک مغرب اقصیٰ سے ساری زمین اور جن چیزوں پر وہ مشتمل ہے مثلاً پہاڑ، صحرا، میدان، جنگلات، جن انسان اور تمام چوپائے وغیرہ سب ان کے سامنے ہوں گے اور اگر تمام دنیا کو گڑھے میں رکھ دیا جائے تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے چٹیل میدان میں رائی کا ایک دانہ، ان کی ایسی آنکھیں ہیں جنہیں وہیں کھولتے ہیں۔ جہاں کھولنا چاہئے اور ایسے پر ہیں جنہیں وہیں کھولیں گے جہاں کھولنا

چاہئے۔ اور کچھ پر خوش خبری دینے کے لیے ہیں جنہیں وہ فرماں برداروں کے لیے کھولتے ہیں اور کچھ پر کافروں کے لیے ہیں اور ان میں سخیں اور لوہے کے کنڈے اور قینچیاں تھیں، یہ دیکھ کر حضرت آدم پر ایسی بے ہوشی طاری ہوئی کہ اس وقت سے ساتویں دن کی اس گھڑی تک بے ہوش رہے، پھر افاقہ ہوا تو ان کا سینہ متغیر ہونے کی وجہ سے زعفران بن چکا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے ملک الموت سے فرمایا مجھے یہ بتائیں کہ آپ کافر کی روح کس طرح قبض کرتے ہیں انہوں نے فرمایا ذرا اپنا رخ دوسری طرف پھیر لیجئے، انہوں نے اپنا چہرہ پھیر لیا۔ پھر ان کی طرف منہ کیا تو دیکھا ملک الموت ایک کالے سیاہ انسان کی شکل میں ہیں، پاؤں زمین میں اور سر آسمان میں ہے اور شکل ایسی ہے کہ شاید ہی ایسی کوئی بدصورت شکل کبھی دیکھی ہو، ان کے جسم کے ہر بال کے نیچے آگ کی لپٹیں ہیں، حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا یہ خدا! اگر کافر صرف آپ کو دیکھ ہی لے تو اس کے ڈرانے دھمکانے اور دہشت زدہ کرنے کے لیے یہ ہی کافی ہے پھر اس کے بعد وہ فرشتہ پیاری سی صورت میں آیا اور حضرت ابراہیمؑ کی روح قبض کر لی۔

علماء نے لکھا ہے کہ لوگوں کے حالات کے مطابق ملک الموت کے مختلف شکل وصورت میں آنے پر کوئی تعجب نہیں کرنا چاہئے، اس لیے کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے انسان میں صحت بیماری، بچپن، بڑھاپے، جوانی اور شیخ فانی ہونے کی صورت میں تفاوت آیا کرتا ہے یا جیسے بار بار حمام جانے کی وجہ سے رنگ صاف ہو جاتا ہے، سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے سے رنگ متغیر ہو جاتا ہے، البتہ یہ تغیرات فرشتوں میں ایک ہی دن اور گھڑی میں کئی کئی بار پیدا ہوتے ہیں، ہمیں روایت پہنچی ہے کہ حضرت جبرائیلؑ اللہ جل شانہ کے حکم سے ایک ہی وقت میں اتنے بڑے ہو جاتے ہیں کہ اگر ان کو زمین اور جو اس میں ہے اسے اکھاڑ پھینکنے کی اجازت مل جائے تو وہ اسے اکھاڑ پھینکیں اور بعض اوقات وہ اللہ جل شانہ کی عظمت کے خوف سے ایسے چھوٹے ہو جاتے ہیں جیسے چڑیا، اے اللہ! آپ ہم اور تمام مسلمانوں پر رحم فرمائے آمین۔

ملک الموت ہی تمام جانداروں کی روح قبض کرتے ہیں اور وہ ہر گھر پر روزانہ پانچ مرتبہ اور ہر جان دار پر ہر گھنٹے کھڑے ہوتے ہیں اور بندوں کے چہروں پر روزانہ ستر مرتبہ نگاہ ڈالتے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ ملک الموت جب مومن کی روح قبض کرتے ہیں تو گھر کی چوکھٹ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور گھر والوں میں ایک شور ہوتا ہے بعض عورتیں چہرے پر تھپڑ مارتی ہوتی ہیں بعض بال نوچتی ہیں بعض تباہی بربادی کی بددعاء دیتی ہیں اس پر ملک الموت فرماتے ہیں یہ جزع فزع کیوں کر رہے ہیں؟ بہ خدا! میں نے نہ تم میں سے کسی کی عمر میں کمی کی نہ کسی کا رزق ختم کیا، نہ تم میں سے کسی پر کوئی ظلم کیا، پھر اگر تمہاری شکایت مجھ پر ناحق ناراضگی ہے تو میرا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اس لیے کہ میں تو حکم ربانی کا بندہ ہوں، اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہوں اور تم اپنے رب کے حکم کے شاکی ہو تو یہ تمہارے لیے کافر ہونے کا ذریعہ ہے اور میں پھر تمہارے پاس لوٹ کر آؤں اور پھر لوٹ کر آؤں گا تا کہ تم میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑوں۔

حدیث میں آتا ہے کہ ملک الموت ہر گھر کے دروازے پر پانچ مرتبہ کھڑے ہوتے ہیں پھر جب یہ دیکھتے ہیں کہ کسی انسان کا کھانا پینا ختم ہو گیا اور مدت مقررہ مکمل ہو گئی ہے تو اس پر موت کی شدت ڈال دیتے ہیں چنانچہ اس پر موت کی تنگی اور سختی چھا جاتی ہے اور اس کے گھر والوں میں سے کوئی بال نوچتا اور کوئی سر اور چہرہ پیٹتا ہے۔ کوئی حزن وملال سے روتا اور کوئی تباہی وبربادی کے نعرے بلند کرتا ہے، ملک الموت فرماتے ہیں برا ہو تمہارے لیے کس بات پر یہ گھبراہٹ ہے؟ میں نے نہ تم میں سے کسی کا رزق چھینا اور نہ اس کی عمر کم کی۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر یہ لوگ اس کا ٹھکانہ دیکھ لیتے اور اس کا کلام سن لیتے اور یہ جان



لیتے کہ وہ کس حالت پر ہے تو اپنے مردے کو بھول جاتے اور اپنے حال پر گریہ وزاری کرنے لگتے، پھر جب میت کو چارپائی پر ڈالا جاتا ہے تو اس کی روح اس کے اوپر اڑتی اور آواز لگاتی ہے **اے میرے اہل وعیال اے میرے بچو! دیکھو دنیا تمہیں اس طرح کھلونا نہ بنائے جس طرح اس نے مجھے بنایا تھا، میں نے حلال وحرام راستوں سے مال جمع کیا، مزے تم لوگ اڑاؤ گے اور بازپرس مجھ سے ہوگی، لہٰذا مجھ پر جو گرفت ہو رہی ہے اس سے بچنے کی کوشش کرو۔**

**حضرت جعفر بن محمد** اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ملک الموت کو ایک انصاری کے سر کے پاس دیکھا اور ان سے فرمایا میرے ساتھی کے ساتھ ذرا نرمی کرنا اس لیے کہ یہ مومن شخص تھا، **ملک الموت نے فرمایا، اے محمد ﷺ آپ فکر نہ کریں، پریشان ہوں، میں ہر مومن کے ساتھ نرمی برتتا ہوں، پھر فرمایا کئی کچا یا پکا خشکی یا سمندر میں ایسا گھر نہیں کہ جس کو میں روزانہ پانچ مرتبہ کھنگالتا نہ ہوں اور میں ان میں سے ہر چھوٹے بڑے کو ان سے زیادہ پہچانتا ہوں بہ خدا اے محمد! میں اگر ایک مچھر کی روح قبض کرنا بھی چاہوں تو اسے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر قبض نہیں کر سکتا۔**

**راوی لکھتے ہیں کہ ملک الموت پانچوں نمازوں کے وقت لوگوں کی جانچ پڑتال کرتے ہیں۔**

علامہ قرطبی فرماتے ہیں اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ملک الموت ہر جاندار کی جان نکالنے پر مقرر ہیں اور اللہ جل شانہ کی مخلوق کے سلسلے میں ان کا ہر کام اللہ جل شانہ کے حکم ہی سے ہوتا ہے لیکن ابن عطیہ نے یہ لکھا ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ چوپایوں کی رح ملک الموت کے بجائے اللہ تعالیٰ خود قبض کرتے ہیں۔ فرمایا یہی معاملہ انسانوں کے ساتھ بھی ہوتا ہے البتہ ان کے لیے ایک اعزاز یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک الموت کو پیدا فرمایا اور ان کو روحوں کے قبض کرنے اور جسموں سے نکالنے پر مقرر فرمایا اور ان کی معاونت کے لیے ایک جماعت پیدا فرمائی جو ان کے ساتھ ہوتی ہے اور ان کے حکم کی تعمیل کرتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے، اللہ جانوں کو قبض کرتا ہے ان کی موت کے وقت۔"

(الزمر۔۴۲)

اور فرمایا: "اور کاش آپ دیکھیں جب فرشتے (ان) کافروں کی جان قبض کرنے جاتے ہیں۔" **(الانفال۔۵۰)**

**اور فرمایا: "تو اس کی روح تمہارے بھیجے ہوئے (فرشتے) قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔" (الانعام۔۶۱)**

**تمام مخلوق اور موجودات کے خالق** اللہ جل شانہ ہیں وہی سب کچھ کرنے والے ہیں اور ہم یہ پہلے بتا چکے ہیں کہ ملک الموت روح قبض کرتے ہیں اور ان کے مددگاران کا ساتھ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ روح نکال لیتے ہیں، اور ان کے مددگاران کا ساتھ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ روح نکال لیتے ہیں، اس طرح سے آیات اور احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے لیکن چوں کہ ملک الموت اس کام کو بالواسطہ کرتے ہیں اور خود اس کام کو انجام دیتے ہیں، اس لیے وفات دینے کی نسبت ان کی طرف کر دی گئی جیسے درج ذیل آیت میں حضرت عیسیٰؑ کی جانب پیدا کرنے کی نسبت کی گئی ہے فرمایا" ۔اور جب تم مٹی سے پرندہ جیسی ایک شکل میرے حکم سے وجود میں لاتے تھے۔" (المائدہ۔۱۱۰)

اور مسلم کی حدیث مرفوع میں فرشتے کی طرف نسبت کی گئی فرمایا جب نطفہ پر تینتالیس راتیں گزر جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک فرشتے کو بھیجتے ہیں جو اس کی شکل بناتا ہے اور آنکھیں، کان، ناک، کھال، گوشت اور ہڈیاں بناتا ہے اور عرض کرتا ہے اے پروردگار! یہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ اور قرآن کریم میں ہے "اور ہم ہی نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی۔"

(الاعراف۔۱۱)

اور فرمایا: "اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہ ہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔" (الزمر۔۶۲)

لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت اور حکم سے بنانے اور شکل وصورت میں ڈھالنے کے کام کی مخلوق کی طرف اضافت ہو سکتی ہے اسی طرح وفات دینے کی نسبت ملک الموت کی طرف کر سکتے ہیں اگرچہ درحقیقت خالق، تصویر بنانے

(بقیہ صفحہ ۳۹ پر)

مولانا محمد سرفراز خاں صفدر

# ایمان کیا ہے؟

مکمل قلبی اطمینان اور صحیح عالمگیر اخوت اور یگانگت بغیر خالص ایمان کے ہرگز متصور نہیں ہوسکتی' کیونکہ ایمانی اخوت سے وحدت خلق کا عالمگیر نظام کا تصور فوراً سامنے آجاتا ہے مذہبی اور روحانی ارتقاء کا آخری اور انتہائی مقام سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ تمام اقوام وممالک میں ایمان خالص کی تبلیغ اور تکمیل ہو، جس کی بدولت تمام انسانیت اپنی فلاح ومراد کو پہنچے اور ہر فرد باوجود اختلاف الوان وطبائع کے دنیا و آخرت کی کامرانی اور شادمانی سے بہرہ ور ہو اور چونکہ نجات اخروی دنیوی اصلاح سے زیادہ قیمتی مقصد اور اعلیٰ غرض ہے۔ اس لئے ایمان کا بنیادی عقیدہ جس کے سبب اللہ تعالیٰ کی دائمی خوشنودی اور ابدی رضا جوئی حاصل ہوسکتی ہے اور اسی پر نجات اخروی موقوف ہے، ایک نہایت اعلیٰ ترین نصب العین اور فلاح دارین کے حصول کا واحد اور بے مثال ذریعہ ہے کفر و جہالت انسان کو دین و دنیا میں ہر طرح ناکام ونامراد رکھنے والی منحوس ترین چیز ہے اور بغیر ایمان کے کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوسکتا ہے اور نہ اس کو درجہ قبولیت کا کوئی ادنی سا حصہ بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ بھلا سوچئے کہ جس درخت کی جڑ ہی سوکھ گئی ہو اس کے پتوں پر پانی چھڑکنا خود پانی کو ضائع کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟ بغیر ایمان کے اعمال صالحہ راکھ کا ایک بے وزن ڈھیر ہے جس کو کفر وشرک کی تند اور تیز آندھی آن واحد میں اڑا کر بالکل نیست اور نابود کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

ترجمہ: ''جو لوگ اپنے رب کے منکر ہوئے ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے وہ راکھ کہ اس پر زور سے آندھی کے دن ہوا چلے اپنی کمائی میں سے ان کے ساتھ کچھ نہ ہوگا یہی ہے کہ بہک کر دور جا پڑتا۔''

(سورۂ ابراہیم)

یہ ایک بالکل کھلی حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں بجائے ایمان کے کفر و شرک پھیلایا اور اس مہربان اور رحمٰن خدا سے بندوں کا تعلق قطع کر کے مخلوق کو خدائی صفات کا حامل بتایا تو انہوں نے پیاسوں کو سراب کی طرف دوڑایا اور شرف انسانیت کو بدنما دھبہ لگایا اور جس شخص نے غیر خدا کی عبادت اور بندگی کی اور دوسروں کو اس کی دعوت دی تو اس نے اپنی ساری محنت ضائع کر دی اور اپنے تمام اعمال کو اکارت کر دیا۔

اور یہ بالکل ایک نمایاں حقیقت ہے کہ کافر مشرک بڑا ہی بے وقوف اور لایعقل ہوتا ہے کیونکہ وہ انسانیت کے بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق میں اس سے برا اور شریر اور کوئی نہیں ہوسکتا اور ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ : ترجمہ: ''وہ لوگ سب مخلوق سے بدتر ہیں۔'' (سورۂ البینہ)

اور جو لوگ سب سے زیادہ خالص ایمان پر قائم ہو کر دعوت ایمان پر زور دیتے ہیں اور کفر وشرک کو سب سے بڑا ناقابل مغفرت گناہ یقین کرتے اور بتاتے ہیں تو وہ یقیناً مخلوق خدا کے سب سے زیادہ ہمدرد اور خیر خواہ ہیں اور وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر ہیں اور ایسے ہی حضرات کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ:

ترجمہ: ''وہ لوگ مخلوق ہیں سب سے بہتر ہیں : (سورۃ البینہ)

لہٰذا سب سے اہم کام ضروری تبلیغ اور نفع رساں عمل دعوت ایمان ہے، کیونکہ کفر وشرک ایک بہت بڑا ظلم ہے جس کے سبب ابدی طور پر انسان جنت کی دائمی راحت سے محروم ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی بے پایاں رحمت سے محجوب رہتا ہے اور کسی وقت بھی اس کی مغفرت کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

ترجمہ : ''بے شک اللہ نہیں بخشتا اس کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے:''

(سورۂ النساء)



مگر افسوس کی بہت ہی کم لوگوں کو اس کا خیال ہے کہ صرف ایک ہی رب کی عبادت کر کے مقصد تخلیق کو سمجھیں اور ایمان کی جڑ کو مضبوط کریں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر نگاہ جمائے رکھیں۔

ترجمہ: 'اور میں نے نہیں پیدا کئے جن اور انسان مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں''

کاش کی اس مقصد وحید کی طرف بھی التفات اور توجہ ہو جائے جس کے لئے ہم دنیا میں پیدا کئے گئے ہیں، اگرچہ کچھ بندگان خدا اس عظیم مقصد کے سمجھنے کیلئے کوشاں رہتے ہیں مگر غافلوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ بقول شاعر

کس واسطے ہم آئے ہیں دنیا میں شیفتہ
اس کا جو دیکھئے تو بہت کم خیال ہے

ایمان کی سب سے پہلی اور بنیادی کڑی ''ایمان باللہ'' ہے اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات اس کی صفات اور اس کے افعال میں ہر حیثیت اور ہر لحاظ سے وحدہ لاشریک لہ سمجھا اور یقین کیا جائے کہ وہ ''ودود'' ہے مگر نہ ایسا جس طرح دوست دوست سے دوستی اور محبت کرتا ہے۔ وہ ''حنان'' ہے لیکن نہ اس طرح جیسے ماں اولاد سے شفقت کرتی ہے وہ ''رؤف ورحیم'' ہے پر نہ یوں جیسا کہ باپ اپنے بیٹوں سے رحمت ورافت کرتا ہے وہ ان تمام تشبیہات واستعارات سے بالکل پاک، قطعاً مبرا اور یقیناً منزہ ہے اس جیسا کوئی نہیں وہ ماں اور باپ سے بیوی اور اولاد سے کھانے اور پینے سے سونے اور اونگھنے سے فنا اور زوال اور ہر قسم کے نقص سے پاک ہے، نہ حضرت عزیر علیہ السلام اس کے فرزند ہیں اور نہ حضرت مسیح اس کے بیٹے ہیں اور نہ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اور نہ احبار ورہبان یعنی مولوی اور پیر اس کے بیٹے ہیں، وہ اپنی تمام صفات میں بے مثل ہے وہی'' عالم الغیب والشہادۃ'' ہے اور وہی ''السمیع البصیر'' ہے اور وہی اپنے تمام کمالات میں منفرد ہے اور وہی ''مدبر امر'' ہے اور وہی کارخانہ عالم میں متصرف ہے۔ الغرض معبود حقیقی تمام کمالات واوصاف سے متصف اور تمام عیوب ونقائص سے مبرا اور ہر قسم کی حاجات سے پاک ہے۔ ساری کائنات اس کی محتاج ہے اور وہ الصمد ہے اور اگر کوئی عاصی وگناہ گار فطرت صحیحہ کو کھونہ چکا ہو تو ضرور اس کا متلاشی رہتا ہے کہ خالق کائنات کے ساتھ اس کا ربط وتعلق قوی سے قوی تر ہو جائے اور اس کو مالک حقیقی کی رضا نصیب ہو اور وہ اپنی فانی اور ناپائیدار زندگی کی رفتار صراط مستقیم پر جاری رکھ کر تقرب الٰہی اور رضائے حق تک پہنچنے میں فائز المرام ہوسکے اور رحمت خداوندی تو یہ گارنٹی دیتی ہے کہ گناہ گاروں کو مایوسی سے ہمکنار نہیں ہونا چاہئے'' کیونکہ :

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم ہائے سیاہ کو تیرے عفو بندہ نواز میں

ہم جب کسی مصنوع کو دیکھتے ہیں یا کسی ثقہ اور معتبر کی زبانی کسی محیر العقول صنعت کے سننے کا اتفاق ہوتا ہے تو اسے دیکھ اور سن کر نہ صرف یہ کہ ہمیں محض اس سے اس کے صانع کا علم اور یقین حاصل ہو جاتا ہے بلکہ اس سے صانع کا مرتبہ جلالت شان اور اس کی حکمت اور کمال کا علم بھی ساتھ ہی ہو جاتا ہے' ہم جب بھی کسی اعلیٰ نفیس اور عمدہ صنعت کو دیکھتے ہیں تو اس کو دیکھنے کے ساتھ ہی ہم پورے یقین اور وثوق کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس کا صانع اور کاریگر اعلیٰ شان اور حکمت وفضیلت کا مالک ہے اور ہمیں ادنی اور گھٹیا درجہ کی صنعت سے ادنی درجہ کے صانع اور کاریگر کا پتہ چلتا ہے۔ کوئی مصنوع چیز دنیا میں ایسی نہیں بتائی جاسکتی، جس کے متعلق کوئی عقلمند اور دانا یہ تصور کر سکے کہ یہ از خود یا بلا واسطہ بن گئی ہے۔

کوئی کارخانہ بغیر انجینئر کے کوئی جہاز اور گاڑی' کوئی بس اور موٹر بغیر چلانے والے ڈرائیور کے اور کوئی طیارہ بغیر پائلٹ کے ایک لمحہ بھر کے لئے بھی نہیں چل سکتا اور اگر کوئی طیارہ وغیرہ بجلی اور ایٹم کی طاقت سے چلتا ہے تب بھی یہ یقینی امر ہے کہ اس کو بایں وضع وترکیب بنانے اور جوڑنے والا بھی ضرور کوئی ہے اور ہر عقلمند آدمی یہ جانتا ہے کہ یہ حیرت انگیز اور تعجب خیز کرشمہ از خود ہی نہیں تیار ہو گیا، ایک معمولی دکان بغیر دکاندار کے نہیں چل سکتی اور ایک ادنی مکان بلکہ کٹیا اور جھونپڑی بھی از خود نہیں کھڑی ہوسکتی تو پھر یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ زمین و آسمان اور عالم علوی وسفلی کا یہ اعلیٰ واکمل اور بہترین نظم ونسق از خود بن اور چل رہا ہے۔ اور کس طرح یہ مان لیا جائے کہ یہ وسیع ومحکم اور منظم کارخانہ بغیر کسی صانع حکیم کے چل رہا ہے یا

اس کے بنانے میں کوئی معتد بہ غرض اور مقصد پنہاں نہیں، یہ کیونکر تسلیم کرلیا جائے کہ دنیا کی اس عظیم الشان مشین کے بنانے اور چلانے والا اس کے پرزوں کو نہایت مضبوط ترتیب اور سلیقہ سے جوڑنے والا ہزاروں برس سے اس کی حفاظت ونگرانی کرنے والا کوئی نہیں؟ اور اس کا کیسے یقین کرلیا جائے کہ سورج و چاند، ثوابت وسیارات کا یہ حیرت انگیز انقلاب لیل ونہار صیف وشتاء اور موسم ربیع وخریف کا یہ نمایاں تغیر وتبدل زبردست حکیم وقدیر اور صانع وعلیم کی کارسازی سے مستغنی ہے اور یہ محکم اور اٹل نظام اور یہ تصرفات وتقلبات عظیمہ قادر مطلق کے دست قدرت سے بے پروا ہیں اور کون ذی شعور اس باطل اور بے بنیاد نظریہ سے متفق ہوسکتا ہے کہ یہ سب کچھ محض اتفاق اور بے شعور طبیعت یا اندھے بہرے مادہ سے ظہور پذیر ہوا ہے؟ اس دنیا میں بار بار دیکھنے اور سننے میں آتا ہے کہ جہاز، جہاز سے، گاڑی، گاڑی سے بس، بس سے موٹر، موٹر سے اور ٹرک ٹرک سے بلکہ ٹانگہ ٹانگے سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگئے اور کئی قیمتی جانیں ضائع ہوگئیں ستاروں کی نسبت ان کی تعداد اور گنتی کیا ہے؟ برائے نام اور محض صفر بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ چند ذرے ہیں اور وہ پہاڑ ہیں، یہ گنتی کے محصور قطرے میں اور وہ ناپید اور کنار سمندر یہ معدود سے چند نقطے ہیں اور وہ پورا جسم یہ شمار کے چند افراد ہیں اور وہ غیر محدود ملت وانجمن، مگر باوجود اتنے بڑے حجم اور وزن کے کوئی سیارہ مشرق سے مغرب کی سمت بڑی سرعت اور تیزی سے جارہا ہے اور کوئی مغرب سے مشرق کی جانب سیاحت کررہے ہیں..... آج تک کسی سیارے کی دوسرے سیارے کے ساتھ ٹکر نہیں ہوئی اور نہ نظام کواکب میں تباہی وبربادی کا یہ سلسلہ توڑ پھوڑ کا یہ ہنگامہ ہویدا ہوا ہے یہ کب مسلم ہوسکتا ہے کہ ہزارہا برس سے یہ مضبوط ومحکم اور اٹل نظام شمسی وقمری لیلی ونہاری اور ارض وسماوی بغیر کسی چلانے والے کے ٹھیک نظام پر چل رہا ہے۔

کیا یہ سب کچھ بے کار و بے فائدہ ہے اور اس کی کوئی غرض وغایت ہی نہیں، کیا ان میں ایک ایک چیز بزبان حال پکار پکار کر یہ نہیں کہہ رہی کہ "اے ہمارے پروردگار! تو نے کوئی چیز بے فائدہ پیدا نہیں کی" دور جانے کی ضرورت اور حاجت ہی نہیں خود ہمارا ایک ایک عضو اور ایک ایک جوڑ اپنے اندر لاتعداد حکمتیں اور بے شمار مصلحتیں رکھتا ہے اس چھوٹے سے وجود کے اندر کتنی اور کیسی قوتیں اور طاقتیں ہیں، کسی قوت سے ہم سمجھتے ہیں کسی سے بولتے ہیں اور کسی سے پکڑتے ہیں کوئی قوت ماسکہ ہے اور کوئی قوت ہاضمہ ہے کوئی عروق وعضلات میں خون پہنچا رہی ہے اور کوئی فضلات خارج کررہی ہے کوئی خون اور چربی بنا رہی ہے اور کوئی پیشاب وغلاظت تیار کررہی ہے اگر کوئی سمجھنا اور تسلیم کرنا چاہئے تو اس اس کے لئے خود اس کے وجود ہی میں اس کے لئے عبرت وموعظت کے لئے بہترین سامان موجود ہے۔ لہذا ہم اس اقرار کے لئے مجبور ہیں کہ ہم ضرور کسی بڑے صانع، کسی بڑے کاریگر اور کسی بڑے حکیم کی صنعت اور حکمت کا نتیجہ ہیں اور یہ اقرار ویقین صرف ہمارے ہی وجود تک محدود نہیں بلکہ اس دنیا کی ایک ایک چیز پکار پکار کر صاف اس بات کا ثبوت پیش کررہی ہے کہ قدیم ہی سے کوئی عظیم وقدیر اور بلند وبالا ہستی ضرور ایسی موجود ہے جو ہم سب کی خالق سب کی حاجت روا سب کی فریادرس اور سب کی آمر وحافظ اور صاحب قدرت وحکمت ہے جس نے اپنے علم وقدرت سے اس کائنات کو نیست سے ہست اور نابود سے بود کیا ہے، اور زمین کا ایک ایک ذرہ اور ایک ایک تنکا بزبان حال اس کی شہادت دیتا ہے۔

الغرض زمین وآسمان میں صرف وہی ایک خدا، ایک خالق اور ایک ہی مالک و متصرف ہے اور وہی باقی وحق ہے اس کے سوا تمام اشیاء فانی اور زوال پذیر ہیں۔ اس کی ذات اپنی ازلیت میں سب سے اول اور اپنی ابدیت میں سب سے آخر ہے اور ظہو صفات میں سب سے روشن تر اور نمایاں اور خفائے ذات میں سب سے پوشیدہ تر ہے۔

ترجمہ: "وہی اول وہی آخر وہی ظاہری باطن ہے" (الحدید)

الغرض عقلی طور پر ہر صحیح المزاج انسان کی فطرت میں یہ میلان ورجحان پایا جاتا ہے کہ ایک نادیدہ ہستی ایسی ضرور ہے جس کی



طرف لازماً رغبت کی جاتی اور کی جاسکتی ہے رغبت بھی ایسی کہ تمام رغبتوں سے فائق اور اس سے خوف اور ڈر بھی ضروری ہے خوف ایسا کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی ایسی مہیب وخوفناک نہیں ہم اگرچہ اسے اس دنیا میں عیاناً دیکھ سکتے لیکن اس کی قدرت کے جتنے علائم اور نشانات ہم دیکھتے ہیں ان میں اسی کا جلوہ نظر آتا ہے، جس کی نفی پر ہزار حجتیں اور لاکھ دلیلیں بھی بالکل بے کار ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اس کا بیان حقیقت ہمارے دائرۂ اختیار سے بالکل باہر ہے۔

دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت عامہ کا بنیادی عقیدہ جاہل وعالم عامی وعارف ہر شخص کے دل پر کم وبیش قبضہ جمائے ہوئے ہے اور کسی زمانہ میں دنیا کا کوئی حصہ اور خطہ ایسا نہیں بتلایا جاسکتا جس میں حق پرست لوگ اس عقیدہ اور یقین سے بے بہرہ رہے ہوں، تمام عقائد حقہ اور مذاہب سماویہ کی خوشنما اور دلکش عمارت کا سنگ بنیاد ہی خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی ربوبیت عامہ کی اعتقاد پر قائم ہے انبیاء کرامؑ کی بعثت اور کتب سماویہ کا نزول وتبیین ہے۔ ہستی باری تعالیٰ کا یقین محکم اگر محض منطقیانہ استدلال واحتجاج پر منحصر ہوتا تو جاہل قوموں میں ہرگز یہ نہ پایا جاتا بلکہ تہذیب وتمدن کے ابتدائی مراتب میں بھی اس کا کہیں وجود نہ ہوتا۔ حالانکہ واقعیت بالکل اس کے خلاف ہے اور جہلاء کے دلوں میں جس وثوق واطمینان کے ساتھ ہستی باری تعالیٰ کا یہ حکم عقیدہ اور یقین موجود رہتا ہے وہ بسا اوقات علماء اور فضلاء کیلئے بھی قابل صدرشک ہوتا ہے اس لئے حتماً اور یقیناً کہا جاسکتا ہے کہ یہ تخم رشد وہدایت جو تمام آسمانی تعلیمات کا مبداء اور منتہی اور تمام ہدایات ربانیہ کا وجود مجمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عہد ازل ہی میں بطور میثاق عام پوری فیاضی کے ساتھ نوع انسانی کے تمام افراد میں بکھیر دیا ہے تاکہ ہر آدمی وحی الہام اور عقل وفہم کی آبیاری سے اس تخم کو شجرۂ ایمان کی مضبوط جڑوں اور اعمال صالحہ کے مستقیم تنوں اور معاملات کی نازک اور لچکدار ٹہنیوں اور اخلاق ومکارم کے دلآویز اور خوشنما پتوں اور رضائے ایزدی کے لذیذ اور شیریں ثمرات تک پہنچا سکے۔ اگر وجود باری تعالیٰ کا یقین اور عقیدہ محض عقل ونظر اور اکتساب واستدلال پر ہی موقوف ہوتا تو اکثر انسان اس پر متفق ومتحدہ نہ ہوسکتے کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ اکثر فکر واستدلال کی ہنگامہ آرائیں اور بحث ومباحثہ کی موشگافیاں اتفاق ویکجہتی کے بجائے اختلاف آراء اور تشت افکار ہی پر منتج ہوتی ہیں، اس لئے تکوینی طور پر یہ نہایت ہی ضروری تھا کہ فطرت انسان میں دیگر فطری خواہشوں کی طرح یہ یقین اور عقیدہ بھی ازل ہی سے ودیعت رکھا جاتا، تاکہ اس عالم میں ہر متلاشی حق اور منصف مزاج شخص اس سے بہرہ ور ہوسکتا اور ربوبیت اور الوہیت کا یہ دقیق اور پیچیدہ مسئلہ ایک معما اور چیستان بن کر ہی نہ رہ جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر صحیح المزاج آدمی جس کو عقلی اور روحانی تندرستی حاصل رہی ہے 'اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی ربوبیت عامہ کے عقیدہ پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہا ہے۔ باقی رہے وہ افراد جو کسی عقلی اور روحانی بیماری سے متاثر ہیں۔ ان کی بات ہی الگ ہے ایسا ہی ایک ملحد یہ کہتا ہے کہ:

"میں خدا کا بالکل منکر ہوں، خدا کا خیال جہالت، خوف اور قوانین فطرت کی عام ناواقفی سے پیدا ہوتا ہے"۔

(العیاذ باللہ) (ورائٹیز آف ریلجس نیس لکچر ۵۴ ص ۹۲ مطبوعہ ۱۹۰۲ء منقول از پروفیسر اسٹاربک)

مگر ان جیسے احمقوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی صفراوی بخار وغیرہ کا مریض میٹھی لذیذ اور خوشگوار دواؤں اور غذاؤں کو تلخ اور بدمزہ بتانے لگے۔ ایسے لوگ انجام کار تندرست دنیا کے سامنے بلکہ مناسب وقت آنے پر خود اپنی ہی نظر میں بالکل دروغ گو اور قطعاً جھوٹے ثابت ہوتے ہیں یا جیسے کوئی بھینگا ہو تو اسے ایک چیز کی دو نظر آتی ہیں کیونکہ اس کی آنکھوں کی ساخت ہی ٹیڑھی ہوتی ہے۔ ایسے ہی روحانی بھینگو کو ایک اسلام کے دو اسلام اور ایک قرآن کے دو قرآن نظر آتے ہیں ایسے ملحدین کی بات ہی جدا ہے اسی ازلی عہد ومیثاق کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح پیش فرمایا ہے:

"اور جب نکالا تیرے رب نے بنی

آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو اور اقرار کرایا ان کی جانوں پر کہ کیا میں نہیں ہوں تمہارا پروردگار بولے کیوں نہیں؟ ہم اقرار کرتے ہیں (یہ اقرار ہم نے اس لئے لیا) تاکہ تم یہ نہ کہنے لگو قیامت کے دن کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی کہ ہمارا بھی کوئی رب اور حاکم ہے اور ہم اس کے احکام کے پابند ہیں"۔ (اعراف)

یہ عمومی اور مثالی میثاق جو عہد ازل میں اللہ تعالیٰ نے لیا تھا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مرفوع روایت کے مضمون کے مطابق:

"نعمان مقام پر (جو میدان عرفات کے قریب ایک جگہ ہے) لیا گیا تھا اور سب کو باری تعالیٰ نے چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی مانند اپنے سامنے کھڑا کر کے الست بربکم سے سوال کیا تھا اور سب نے یک زبان ہو کر "بلیٰ" سے جواب دیا تھا۔"

(مسند احمد، مشکوٰۃ ج اول ص ۲۴)

اور حضرت ابی بن کعبؓ کی موقوف روایت (جو حکماً مرفوع ہے) کے الفاظ کے پیش نظر جب سب سے بلیٰ کہا تو رب العزت نے فرمایا کہ: میں تم پر سات آسمانوں اور سات زمینوں اور خود تمہارے باپ حضرت آدمؑ کو گواہ بناتا ہوں تاکہ:

"تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ دو کہ ہمیں تیری ربوبیت اور الوہیت کا کوئی علم نہ تھا سو اچھی طرح جان لو کہ نہ تو میرے سوا کوئی حاجت روا ہے اور نہ کوئی تربیت کرنے والا ہے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا، میں تمہاری طرف اپنے رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرا یہ عہد و پیمان یاد کرائیں گے اور میں تمہارے اوپر کتاب نازل کروں گا سب نے کہا ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور الٰہ ہے اور ہم اقرار کرتے ہیں کہ نہ تو تیرے بغیر ہمارا کوئی رب ہے اور نہ کوئی الٰہ ہے:

(مسند احمد، مشکوٰۃ) اس عہد نے اللہ تعالیٰ نے اپنے رب ہونے کا اقرار کرایا ہے نہ کہ اب ہونے کا اور واضح الفاظ میں یہ بتایا ہے کہ وہ رب العلمین ہے ابوالعلمین نہیں اور اسلام میں رب کا رتبہ اور احترام اب کے درجہ اور تعظیم سے کہیں بڑھ کر اور بلند ہے کیونکہ باپ کا تعلق بیٹے سے صرف آنی اور جسمانی ہوتا ہے مگر رب کا تعلق اپنے مربوب سے اس کی پیدائش اور وجود کے اولین لمحہ سے لے کر آخری لمحہ تک بلا انقطاع برابر جاری رہتا ہے اور اس فانی جہان کے بعد ابدی اور سرمدی جہاں میں اس کی ربوبیت کا ظہور ہوگا وہ ہماری سمجھ اور ادراک سے بالاتر ہے ہم کیا اور اس کے غیر محدود الطاف اور عنایات کیا؟

اسی ازلی میثاق اور خدائی تعلیم کا یہ اثر ہے کہ اولاد آدم کے فطری عقلی اور روحانی طور پر تندرست افراد ہر قرن اور ہر زمانہ ہر گوشہ اور ہر خطہ ارضی میں حق تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت عامہ کو ایک حد تک اقرار کرتے رہے ہیں۔ اور آج بھی اسی دور زندقہ والحاد میں کروڑوں کی تعداد میں اس کی ربوبیت کا اقرار اور اذعان کرنے والے موجود ہیں اور ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جن لوگوں کو اپنے محبوب حقیقی کی محبت و رضا میں فنا میسر ہو جاتی ہے تو پھر یگانہ و بیگانہ مکروہ و محبوب کا سارا امتیاز ہی سرے سے ان کے دلوں سے اٹھ جاتا ہے اور دن بدن ان کی روحانیت ترقی پذیر ہوتی ہے اور رحمت خداوندی اپنی پوری وسعتوں کے ساتھ کھل اور کھل کر ان کے سامنے آتی ہے اور ایسے کاملین اور خدا رسیدہ حضرات کو یہ ملال اور خیال کبھی نہیں آتا کہ دنیا ان کے بارے میں کیا سوچتی ہے؟ ان کی تمام محبت و شفقت، ہمدردی و سلوک اور تعاون و سازگاری کا صرف ایک ہی مرکز اور ایک ہی محور باقی رہ جاتا ہے۔ اور وہ محض اپنے محبوب حقیقی کی معرفت و محبت اور آقائے نامدار ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ سے اس کی رضا جوئی مال واولاد کا تو ذکر ہی کیا، اگر اپنے نفس کے ساتھ بھی ان کی الفت و محبت باقی رہ جاتی ہے تو وہ بھی صرف اسی ہی کی خاطر اس کی راہ اور رضا میں تمام قربانیاں شیریں بن جاتی ہیں اور اس کی ناراضگی میں ساری خوشیاں کانٹے نظر آتے ہیں۔ اس کی خوشنودی کے لئے گردنیں کٹوانا حیات ابدی معلوم ہوتی ہے اور اس کی خلاف ورزی میں عیش و آرام کی پرکیف زندگی بھی سراسر موت دکھائی دیتی ہے مگر یہ مقام صرا سی کو حاصل ہو سکتا ہے جس نے روح شریعت کو سمجھ کر مجاہدۂ نفس کی منزلیں طے کی ہوں کیونکہ

ہزاروں منزلیں کرتا ہے طے پانی کا ایک قطرہ
صدف میں تب کہیں ہوتا ہے تابندہ گہر پیدا



محمد نفیس خاں رائے بریلی

# حکم کو ماننا اور عمل کرنا

کسی قوم، تحریک یا جماعت کی ترقی اس وقت تک محال ہے جب تک اس کے اندر اپنے نظام کو چلانے کے اصول و ضوابط نہ ہوں اور اس گروہ کا ہر فرد اس پر یقین رکھتے ہوئے عمل کرنا اپنا نصب العین نہ سمجھتا ہو۔ اس دستور و اس اصول سے منحرف ہو کر آج تک کوئی قوم کسی بھی میدان میں ترقی کی سمت ایک قدم بھی نہ بڑھا سکی اور جس نے بھی اس اصول سے ہٹ کر پیش رفت کرنا چاہی وہ چند ہی قدم چل کر لڑکھڑائی اور زمین پر آ گری۔ یہی حال امت مسلمہ کا ہے جو کہ بارہا تنزلی کے عمیق غار میں گری بھی اور ترقی پر جگمگائی بھی اور اس کی یہ ساری داستان عروج زوال اسی اصول و ضابطہ سے مربوط ہے جسے اس نے اپنی اصطلاح میں "سمع وطاعت" سے تعبیر کیا ہے۔ اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو بخوبی علم ہوگا کہ سب سے زیادہ عروج و زوال کے دور سے یہی امت مسلمہ گذری ہے۔ چاہے اندلس ہو، ایران ہو، سوویت یونین یا کوئی بھی ایسا ملک ہو جہاں اسلام پر پابندیاں عائد کی گئیں ان کا سبب یہی رہا ہے کہ یہ امت خدا اور رسول کی "سمع وطاعت" کے بجائے اپنے نفس کی پرستش پر کمر کسے رہی۔

آج جس دور سے ہم گذر رہے ہیں یقیناً یہ بہت ترقی یافتہ دور ہے اور آزمائشوں و فتنوں کا بھی۔ تاہم اکیسویں صدی کی یہ دنیا اپنی تمام تر رعنائی و زیبائش کے باوجود انحطاط کی سمت گامزن ہے۔ اور مغرب کی سمت سے آنے والی ہر تہذیب تباہی و بربادی کا باعث ہے لیکن مسلمان ان خطرات سے چوکنے رہنے اور مقابلہ کرنے کے بجائے اسی کے ہم نوالہ بننے میں فخر محسوس کرتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو کہ اپنے "مسلم" ہونے کا اعلان بھی کرتی ہے اور خود ہی اسلامی زندگی کو مغربیت کا لبادہ پہنانے، اور اس کے نظام حیات کو تار تار کرنے کی کوشش بھی۔ آپ مسلمانوں کے بڑے بڑے جلسوں میں چلے جائیے، ان کی دینی و علمی مجلسوں اور ان کے اصلاحی کوششوں کا جائزہ لیجئے، آپ کو قال اللہ و الرسول کی صدائیں سنائیں دیں گی۔ لچھے دار تقریریں پردۂ سماعت سے ٹکرائیں گی۔ "سمع وطاعت" کی اہمیت، اس کی طاقت اور وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین کی مختلف زاویوں سے تفسیریں و تشریحیں آپ کو سننے و پڑھنے کو ملیں گی۔ لیکن کبھی ان کی زندگی میں بھی جھانک کر دیکھئے ان کے نام نہاد قائدین کے شب و روز کا مطالعہ کیجئے اور اگر موقع ملے تو ان سے کوئی دنیوی معاملہ بھی کر کے دیکھئے آپ کو ندامت و تأسف کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ ایک طرف مسلمانوں کی زندگی کا یہ نمونہ ہے اور دوسری طرف یہ شور بپا ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کے خلاف سازشیں رچی جا رہی ہیں، ان کے پرسنل لا، عائلی قوانین، ملی تشخصات، اسلامی اقدار و نظام حیات سب پر غیروں کی نگاہ بد لگی ہوئی ہے۔ بلاشبہ یہ باتیں بالکل درست ہیں اور یہ تو اس امت کے ساتھ شروع سے ہی ہو رہا ہے بلکہ جہاں بھی اور جب بھی مسلمانوں کا ربط خدا اور رسول سے ختم ہوا وہاں یہ اندیشات حقائق کے جلو میں واقع ہوئے، یہی صورتحال اس دور میں اور خاص کر اس ملک میں بھی ہے، تاریخ ہند ماضی کی طرف لوٹ رہی ہے اور مسلمان اُس کیفیت سے دوچار ہیں جس کی مثال یا تو مرحوم مسلم اسپین کی تاریخ میں ہے یا پھر ہٹلر کے جرمنی میں۔ لیکن مسلمانوں کے قائدین جو اسلام سے زیادہ مغرب سے متاثر ہیں (بدقسمتی سے آج ایسوں کی تعداد کچھ زیادہ ہی ہے) اور خود کو شائستہ مہذب و روشن خیال سمجھتے ہیں وہ مسلمانوں کی تنزلی کے اسباب اور

اس کے درد کا درماں تعلیم مغربی، تہذیب جدید، اور اقتصادی وسیاسی حالات کو بتاتے ہیں، جب کہ قرآن کہتا ہے کہ تمہاری کامرانی صرف اس میں مضمر ہے کہ تم خدا پر پورا یقین رکھو اور اس کے احکامات پر آنکھ بند کر کے ہر میدان میں عمل کرتے رہو، دنیا قدموں میں آگرے گی اور تم ہی غالب رہو گے وانتم الأعلون إن کنتم مؤمنین. اور اگر بالفرض اس قوم کا ہر فرد کمشنر و آئی. ایس. بن جائے۔ پارلیمنٹ کی ساری نشست گاہیں اس کے حق میں ہوں، مغربی تہذیب اس کے شانہ بشانہ ہو اور اقتصادی وسیاسی حالات اس کے دوش بدوش ہوں مگر ساتھ ہی ان کے دل میں نفاق کا مرض ہو، وہ فرض کو فرض نہ سمجھتے ہوں، نافرمانی وسرکشی و بے ضابطگی کے وہ خوگر ہوں اور خدا اور رسول کے احکام کی قدر ہو نہ عمل کرنے کا جذبہ، تو یہ قوم دنیا کے اسٹیج پر کوئی اہم رول ادا نہ کر پائے گی، بلکہ اسلام اور اس کی اعلیٰ تعلیمات کو مشکوک کر دے گی۔

اللہ تعالیٰ نے ہم کو اسلام کی عظیم دولت بغیر کسی محنت وکوشش کے عطا فرمائی، دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اس کے شکر میں تو ہم پر واجب تھا کہ ہمارا ہر لمحہ خدا کی اطاعت میں گذرے، زبان سے ہر گھڑی اس کی حمد بیان ہو، اور ہمہ وقت اس کا استحضار ہو یا کم از کم ایسا بود وباش ومعاشرتی نظام نہ ہو کہ جسے دیکھ کر کوئی کافر یہ نہ کہہ دے کہ اسلام کی تعلیمات، احکام، مسائل ونظام سب قابل قدر ہیں اور فطرت کے عین مطابق ہیں لیکن حقیقت کی دنیا سے ہمیں اس کا کوئی ربط نہیں نظر آتا، محض انسانیت کے دستاویز پیش کرنے اور بھلے برے کی نشاندہی کرنے کا نام ہی اسلام ہے تو اس کی استطاعت ہم بھی رکھتے ہیں، آج ساری دنیا فکری کشاکش وذہنی کرپشن کا شکار ہے، ہر کوئی اپنے دین سے بیزار ہے اور اسلام کی طرف پیش قدمی کرنے لئے بیقرار مگر ہمارے ہی اعمال نے اس کی راہوں میں سیاہ ودبیز پردے ڈالدیئے جس سے اسلام کی حقیقت مستور ہوگئی، اور جب کوئی قوم اپنے مذہب سے بیزار ہوتی ہے اور اس کی رسائی حقیقت اسلام تک بھی نہیں ہو پاتی تو اس میں "لادینیت" و "سیکولرازم" کا فلسفہ وجود میں آتا ہے اور اس سے پیدا ہونے والے مضمرات کے شکار سب سے پہلے مسلمان ہوتے ہیں کہ وہ اسلام سے کسی بھی قسم کی دستبرداری پر قانع نہیں۔

مسلمانوں کی بے بسی، لاچارگی وبے بضاعتی کی جو تصویر ہمارے سامنے ہے اس کے اسباب کوئی خارجی نہیں ہیں کیونکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جس قوم میں منافقت، ضعف اعتقاد کا مرض عام اور احساس ذمہ داری کا داعیہ معدوم ہو جاتی ہے اور "سمع وطاعت" کا جزبہ سرد پڑ جاتا ہے تو اس کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ اور وہ اپنے سے طاقتور کسی بھی قوم کے سامنے سپر ڈال دیتی ہے اور ایک اعتبار سے احساس کمتری کے جال میں پھنس جاتی ہے، یہی سانحہ اس امت کو بھی درپیش ہے لیکن خدا کا فضل وکرم ہے کہ اس نے تا قیامت اسلام کی بقاء کا وعدہ کر رکھا ہے جس کے طفیل یہ امت بھی جی رہی ہے ورنہ جس امت کے پاس دونوں جہاں کی سرخروئی وکامیابی کے ایسے مستحکم ٹھوس اور روشن اصول ونظام ہوں پھر بھی وہ اُن اصول کی طرف لپکے جس میں کوئی روح نہ ہو تو اس کی بساط الٹ جانی چاہئے۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اول تو ہم "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول" کے مفہوم کو سمجھیں اور اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں کہ یہ اسلام کی روح ہے، اس کے بغیر کوئی مسلمان مسلمان نہیں بلکہ صرف اس پر اسلام کا ٹائٹل ہے، اور اس قوم کے سربرآوردہ حضرات، صاحب جاہ واقتدار، اسلامی تحریکوں وجماعتوں کے ذمہ دار اور وہ سبھی جو اس امت کے درد وتڑپ کو اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں وہ خود بھی اس کی طرف متوجہ ہوں اور قوم کا رخ بھی اس کی طرف پھیرنے کی سعی کریں کیونکہ اس قوم کی ترقی صرف وصرف خدا ورسول کے احکام کو بسر وچشم قبول کرنے پھر اس پر آنکھ بند کر کے عمل کرنے میں ہے۔ یقین مانئے کہ جس دن مسلمانوں میں یہ جزبہ پیدا ہو گیا سمجھ لیجئے کہ انؐ کے عروج کا آغاز ہو گیا۔ من یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما۔

واللہ ہو الموفق۔



ترجمہ مسعود حسن حسنی

# رومانیہ کی ایک عیسائی طبیبہ

## جو ایک مسلمان طبیب کی کوشش سے مسلمان ہوئی

**الینا راڈو رومانیہ سے تعلق رکھنے والی خاتون ہیں جو ریاض کے ہیلتھ سنٹروں میں سے ایک سینٹر سے وابستہ ہیں وہ کمیونزم کے علاوہ اسلام یا کسی دوسرے مذہب سے واقف نہیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کس طرح ہدایت سے نواز کر اپنا کرم فرمایا اس سلسلہ میں ان سے جو گفتگو ہوئی وہ درج ذیل ہے۔**

### کیسے انہوں نے اسلام قبول کیا

س : بہن الینا راڈو آپ سے گزارش ہے کہ ہمارے قارئین سے آپ اپنا ذاتی تعارف کرائیں؟

ج : میرا نام الینا راڈو ہے، میری عمر چھیالیس سال ہے، میں رومانیہ کی رہنے والی ہوں، ریاض کے ایک ہیلتھ سینٹر میں کام کرتی ہوں۔

س : اسلام سے آپ کی سب سے پہلی واقفیت کب کی ہے؟

ج : اسلام سے میری واقفیت کی ابتداء میرے اپنے ملک رومانیہ میں اس طرح ہوئی کہ رومانیہ میں میری متعدد سہیلیاں مسلمان تھیں، ان کے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا، اس وقت مجھے قطعاً اس بات کی توقع نہیں تھی کہ ان مسلمان سہیلیوں کی طرح میں بھی کبھی اسلام کی آغوش میں آجاؤں گی۔

ملازمت کے سلسلے میں مجھے ریاض آنے کا موقع ملا، وہاں میں اپنے مسلمان ڈاکٹروں سے اسلام کے بارے میں اکثر استفسار کرتی تھی، کچھ عرصہ کے بعد ایک عرب ڈاکٹر مجھے اسلام اور اس کے اصولوں سے واقف کرانے کے لئے ریاض کے ایک دعوتی مرکز لے کر گیا تو مجھے اس دین سے مزید واقفیت حاصل ہوئی، چنانچہ مرکز مذکور کی حاضری میرا معمول بن گیا، اور ایک مقصد کے اعتبار سے یہ حاضری بڑی اہم ثابت ہوئی، اور گہ شتہ دین سے میری جو کچھ وابستگی تھی وہ اس کی وجہ سے متاثر ہونے لگی، مرکز دعوت میں آنے جانے اور اسلام سے واقفیت بڑھنے کے بعد ابھی میں نے اپنے باپ دادا کے دین کو تبدیل کرنا نہیں چاہا، بلکہ میں نے اس بھائی سے جو مجھے مرکز لے گیا تھا یہ مطالبہ کیا کہ وہ مجھے ایسی مسلمان خاتون سے ملائے جو مجھ کو اس دین کی مزید معلومات سے بہرہ ور کرائے، اور میرے ذہن میں جو شبہات اور توضیح طلب مسائل ہیں ان کے جوابات مجھے اس کے ذریعہ مل جائیں۔ اور اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ جس وقت ایک لیڈی ڈاکٹر نے میرے سامنے اسلام کے بلند ودقیق معانی اور ان دقیق معانی کے اسباب کی تشریح کی تو مجھے میرا مقصد حل ہوتا نظر آیا، لیکن بعض اسباب جو صرف ان کے ساتھ خاص تھے ہمارے درمیان ملاقات کا یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا، خاص طور پر ان کی گھریلو ذمہ داریوں کی وجہ سے ملاقات کا یہ سلسلہ رک گیا۔ کیونکہ ان پر تین بچوں کی تربیت کی ذمہ داری تو تھی ہی اور چوتھے کہ پیدائش کا مسئلہ بھی تھا۔

اس کے بعد میں کسی ایسے شخص سے واقف نہیں ہو سکی جو نئے سرے سے مجھے اسلام سے واقف کرا سکے دو مہینہ کے لمبے عرصہ تک اسلام کی معلومات سے مسلسل کٹے رہنے کے بعد قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ پڑھنے کا میں نے فیصلہ کیا۔ لیکن بعض قرآنی حقائق کو سمجھنے میں مجھے دشواریاں پیش آئیں۔

میرے مطالعہ کے دوران ہی اس

سال کے شروع میں غیر مسلموں کے لئے اسلام جاننے کے لئے ایک مقابلہ کا اعلان ہوا۔ میں نے اس میں شرکت کا فیصلہ کرلیا، انعامات اور ہدایا حاصل کرنے کے لئے میرا یہ فیصلہ نہیں تھا، بلکہ اسلام کا تفصیلی مطالعہ کرنے کی غرض سے میں نے یہ فیصلہ کیا تھا، میں نے صرف قرآن کے سائنسی نظریات تک اپنے مطالعہ کو محدود رکھا، اور اس میں بھی طبی نظریات کا پہلو زیادہ غالب تھا، مثلاً جنین کیسے ترقی کرتا ہے، او راس کے علاوہ دوسرے سائنسی نظریات میں جیولوجی (علم طبقات الارض) جیسے پہاڑ اور فضاء کی چیزوں کی معلومات حاصل کرنا تھا، سمندر کے بارے میں قرآنی آیات پر اسلام اور اس کے حقائق کے مطالعہ سے میرے تعلق اور میرے شوق میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔

س : بہن الینا، اسلام قبول کرنے سے پہلے صحیح دین کی تلاش وجستجو میں جو سفر آپ نے کیا کیا اس کے بارے میں آپ ہمیں واقف کرائیں گی؟

ج : الحاد کے ماحول سے آنے کی وجہ سے میں نے مذہبی معاملات کے سلسلہ میں غور وفکر کرنے میں بڑی تاخیر کی، وجہ اس کی۔ یہ ہے کہ کمیونزم میں لوگوں کی زندگیوں میں مذہب کی کوئی اہمیت نہیں ہے، بلکہ وہاں تو مذہب کی گفتگو کرنا بھی منع ہے، لیکن ان سب چیزوں کے باوجود بھی دین وایمان کی میرے اندر ایک پیاس تھی، ۱۹۹۰ء میں کمیونزٹ نظام ختم ہوا تو میں نے عیسائیت کو قبول کیا، میں انگلیکن چرچ کی طرف راغب ہوگئی، چرچ کے زیر اثر رہنے کے دوران میری مکمل کوشش یہ رہی کہ میری روح کی پیاس بجھ جائے، لیکن مکمل چار سال تک چرچ کے زیر اثر رہنے کے دوران جس سعادت کی میں متمنی تھی وہ نہ پاسکی پھر اس کے بعد دوسرے دین کی تلاش جاری رکھی اور اس سلسلہ میں روحانی ورزش (یوگا) کرنی شروع کی، لیکن اس میں معبودوں کی بے پناہ کثرت کی وجہ سے میں گھبرا گئی، اور میں نے اس سے تعلق ختم کرلیا، پھر آرتھوڈکس چرچ کی طرف مائل ہوئی، اور وہاں بھی برائی کے سوا کچھ نہ پاسکنے کی وجہ سے میں نے اس کو بھی چھوڑ دیا، یہ دوسرا چرچ تھا جہاں مجھے نفسیاتی سکون نہ مل سکا نفسیاتی سکون تو کجا بلکہ یہاں تو مجھے سخت گرانباری ہوئی، مجھے اعتراف کے اس طریقہ سے سخت ناگواری ہوتی تھی جو اس میں رائج ہے، کہ کیسے میں اپنے مثل انسان کے سامنے جس کو نہ کوئی طاقت ہے اور نہ کسی چیز پر اس کو غلبہ حاصل ہے اپنی نجی زندگی کو ظاہر کروں، اور کس طرح اپنے گناہوں کا اعتراف اپنے ہی جیسے شخص کے سامنے کروں کہ اگر میں گناہ گار نہ ہوں تو اس میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں ہے؟

اور پھر میرے لئے یہ بات کیسے مناسب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے میری ستاری فرمائی ہے تو میں خود اپنے کو بے عزت کروں، اور اپنے رازوں کو افشا کروں، جب کہ یہ تمام معاملات میرے اور میرے معبود کے درمیان کے ہیں جس میں کسی پادری یا اس کے علاوہ کسی شخص کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، اور اسلام میں بندہ کا خدا سے براہ راست تعلق ہوتا ہے وہ صرف ایک خدا کے سامنے جوابدہ ہے، چنانچہ ان جیسے واقعات اور ان کے علاوہ دوسرے واقعات کی وجہ سے کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد میں نے اسلام قبول کرلیا، اسلام قبول کرتے ہی میرے نفس کو سکون محسوس ہوا، لیکن مسجد میں داخل ہونے کا لمحہ جو مجھے ریاض کی ایک مغربی داعیہ کی صحبت میں میسر ہوا وہ ایک ایسا لمحہ تھا جس نے میرے پورے شعور کو ایک عجیب سرشاری کی کیفیت سے بہرہ ور کردیا اور میرے نفس پر زبردست اثرات ڈالے، اور اس وقت میں ایک ایسی سعادت اور ایسی ایمانی نشو ونما محسوس کررہی ہوں جو میں بیان نہیں کرسکتی ہوں۔

س : آپ کے اسلام قبول کرنے کا حال معلوم ہوجانے کے بعد آپ کے گھر والوں کا کیا موقف تھا۔

ج : جہاں تک اسلام قبول کرنے سے



متعلق میرے خاندان والوں کے موقف کا تعلق ہے تو مقصد کے اعتبار سے یہ معاملہ زیادہ آسان ہوگیا تھا، جو صورتحال تھی اس پر وہ راضی ہوگئے تھے اور اس کو قبول کرلیا تھا بلکہ ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے کو میرا شخصی معاملہ مانا جو کہ صرف مجھ ہی سے متعلق تھا، کسی اور کی رضامندی کی اس میں کوئی ضرورت نہیں تھی۔

اسلام قبول کرتے وقت اسلام سے متعلق جو بھی کتابیں، مجلات اور جو کچھ لٹریچر مجھے مل سکا میں اسے پڑھنے لگی، پھر اس کے بعد میں نے ایک نہج اور منظم طریقہ سے اسلام کا مطالعہ شروع کیا، ان معمولات کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی معلومات کا ایک ذخیرہ میرے پاس ہوگیا، اسی طرح میں صحیح بخاری کے انگریزی ترجمہ کے حصول کی کوشش میں رہی کیونکہ یہ کتاب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر مشتمل ہے۔

س : مسلمان اور غیر مسلموں کو آپ کیا نصیحت کریں گی؟

ج : مسلمانوں کو میری نصیحت ہے کہ وہ اسلام کا روزانہ مطالعہ کریں، اور اس پر غور وفکر کریں اس صحیح دین کی تعلیمات سے غیر مسلموں کو باخبر کریں، جب وہ ایسا کریں گے تو جس طرح مجھے اسلام کی سعادت حاصل ہوئی ہے ان کو بھی یہ سعادت حاصل ہوجائے گی، مجھے اس دین سے بے پناہ محبت ہے اور کیوں نہ یہ محبت ہو) جب کہ یہ دین ربانی عقیدہ اور بلند پایہ احکامات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس دین کے احکام اللہ کی نازل کردہ کتاب (قرآن کریم) پر مبنی ہیں اور قرآن کریم اللہ کا کلام ہے، اور یہ وہ کلام ہے جس میں نہ تبدیلی ہوسکتی ہے، اور نہ کوئی اس میں تحریف کرسکتا ہے، اور زمانہ نے اس کو متاثر نہیں کیا۔

قرآن کریم قرآن کریم ہی ہے، زمانہ اور سالوں کا گزرنا اور اس کو نازل ہوئے ۱۴۰۰ سال سے زیادہ کی مدت ہوجانا بھی اس پر اثر انداز نہیں ہوسکا ہے (وہ جیسا ۱۴۰۰ سال پہلے تھا آج بھی من وعن ویسا ہی ہے) قرآن کریم اور احادیث شریف کو پڑھو اور ان کو دل سے تسلیم بھی کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں روحانی سکون اور ابدی سعادت سے بہرہ ور فرمائیں گے۔

س : کیا مستقبل کو دعوت الی اللہ کے لئے خاص کرنے کی آپ کی نیت ہے؟

ج : دعوت کے میدان میں مستقبل کا جو لائحہ عمل ہے، اس سے پہلے میں مزید علم حاصل کرنے کی خاص طور پر قرآنی اور حدیثی علوم حاصل کرنے کی کوشش کروں گی۔

(الدعوۃ۔ ۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ)

●●

## بقیہ : موت کس کو کیسے آتی ہے

والے اور روح قبض کرنے والے اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ واللہ اعلم

حدث میں آتا ہے ملک الموت اور ملک الحیاۃ کا مناظرہ ہوا، ملک الموت نے کہا میں زندوں کو مردہ کرتا ہوں، ملک الحیاۃ نے کہا میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے پاس وحی بھیجی کہ دونوں اپنے اپنے کام کرو اور جو کام تمہارے لیے مسخر کیا گیا وہ کرتے رہو اس لیے کہ مارنے اور زندہ کرنے والا میں ہوں میرے علاوہ نہ کوئی مارنے والا ہے نہ زندہ کرنے والا۔

حافظ ابونعیم حضرت ثابت بنانی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا دن ورات میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں، ہر گھنٹے ہر ذی روح پر ملک الموت کھڑے رہتے ہیں انہیں اگر اس کی روح قبض کرنے کا حکم ہوتا ہے تو روح قبض کرلیتے ہیں ورنہ چلے جاتے ہیں یہ معاملہ ہر جان دار کے ساتھ ہوتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ ملک الموت روزانہ ستر مرتبہ بندوں کے چہرے کو دیکھتے ہیں پھر جب وہ بندہ ہنستا ہے جن کے پاس فرشتہ بھیجا گیا ہے تو فرشتہ کہتا ہے ابن آدم پر تعجب ہے کہ مجھے تو اس کی روح قبض کرنے کے لیے بھیجا گیا لیکن وہ پھر بھی ہنس رہا ہے۔ اللہ اعلم۔

❖❖